مفید خدمت مین مصروف ہین، بوستان نعت انھین کی مساعی کا نتیجہ ہے، اس مین پاکیزہ نعتیہ کلام یکجا کئے گئے ہین، خدا کرے اسے حسن قبول عطا ہو،

سعیدی ڈکشنری یا سعید اللغات مولفہ مولوی محمد منیر صاحب منیر صدیقی، ناشر مطبع مجیدی کانپور

حجم ۱۳۰۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، مجلد، قیمت درج نہین،

سعیدی ڈکشنری، اسکول کے طلبہ کی ضروریات کا لحاظ رکھکر مرتب کی گئی ہے جس مین اردو مین عام رائج الفاظ خواہ کسی زبان کے ہون، جمع کئے گئے ہین، پھر قانونی سیاسی، اخباری، اور اقتصادی اصطلاحات وغیرہ علحدہ علحدہ ضمیمون مین ہین، اردو اور فارسی کے محاورات کی تشریح کے لئے ایک جداگانہ ضمیمہ ہے، آخر مین اردو محاورون کے مترادف انگریزی محاورے تقریباً سو کی تعداد مین یکجا کئے گئے ہین، طلبہ کے لئے جو ڈکشنریان اب تک مرتب ہوئی ہین، ان مین یہ سب سے جامع، مکمل اور کارآمد ہے

افشائے راز نہان و راز حیات مولفہ جناب منشی احمد علی خانصاحب حجم بر ترتیب ۲۰۰ و ۸۰ اصفحے، پتہ، منشی احمد علی خانصاحب، نمبر ۲۲۹ کوچہ تاراچند، دہلی قیمت بر ترتیب عہ و عہ،

امریکہ کی مس کیتھرائن میونے اپنی کتاب مدرانڈیا مین جو زہر فشانی کی تھی، منشی احمد علی خان نے امریکہ کی ایک دوسری خاتون مس کیتھرائن بیجینٹ ڈیوس پی ایچ، ڈی، کی ایک تصنیف کا ملخص ترجمہ کرکے اوس کا جواب دیا ہے، وہی ترجمہ "افشائے راز نہان" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس کتاب کی مصنف نے امریکہ مین ایک طبی جماعت قائم کرکے اصلاح معاشرت و صحت کی خاطر امریکہ کی دس ہزار عورتون سے اون کی اندرونی زندگی اور اوس کے تجربے اور اثرات دریافت کئے تھے، ان مین سے دو ہزار دو عورتون نے جوابات دیئے، جو حیا سوز حرکات کی روداد دن سے مملو ہین، پھر مصنف نے انھین جوابات کو سامنے رکھکر مختلف اعداد و شمار اور نتائج نکالے، اور انہی کو اس کتاب مین عورتون کے بیانات کے اقتباسات کے ساتھ شائع کیا ہے،

دوسرے رسالہ، راز حیات مین منشی صاحب موصوف نے مسلمانون کو خطاب کیا ہے، اولاً اسلام کی خوبیان اور اوس کے برکات بتائے ہین، پھر مسلمانون کا موجودہ نقشہ کھینچا ہے، اور آخر مین ترقی کے تدابیر بیان کئے ہین، "ر"

جلد ۳۳ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۴ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت رنج و افسوس کیساتھ درج کیجاتی ہے کہ ندوۃ العلمار کے مشہور سفیر و وکیل مولٰنا غلام محمد صاحب شملوی نے ۲۹ مارچ ۱۹۳۴ء کو وفات پائی، ندوۃ العلمار کے مقاصد کی اشاعت اور اس کیلئے مالی امدادون اور چندون کے حصول میں انکی کوششین بہت کامیاب تھین، وہ جوانی مین تارک الدنیا فقیر ہوگئے تھے، اور جنگلوں میں رہتے تھے، ندوۃ العلمار کے ابتدائی اجلاسوں کے روحانی اثرات نے اُن کو دوبارہ دنیا مین داخل کیا اور ندوۃ العلمار کی خدمت کا ایسا ولولہ ان مین پیدا کیا جو مرتے دم تک سرد نہین ہوا، وہ بڑے پرجوش مقرر، روشنخیال عالم، اور صاحب عزم مخنتی تھے، ندوہ کی خدمت مین انھون نے ہندوستان کی گلی گلی کی خاک چھانی، اور ہر چھوٹے بڑے سے ملے، مدت سے اُن کی صحت خراب تھی، وفات کے وقت انکی عمر ستر کے قریب ہوگی، تاہم ان مین ایسی ہمت تھی جو جوانون کو شرماتی تھی، خدا مغفرت فرمائے،

امسال مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اواخر مارچ مین میرٹھ مین منعقد ہوا، نواب ڈاکٹر سر مزمل اللہ خان بہادر اس کے صدر منتخب تھے، مگر افسوس کہ وہ اپنی علالت کی وجہ سے شریک اجلاس نہو سکے تاہم انکا لکھا ہوا خطبۂ صدارت پڑھا گیا، موصوف نے اس خطبہ مین جسمین شعر و ادب کی دلچسپی بھی کافی ہے، اپنی زندگی کے تعلیمی تجربون کو پوری وضاحت سے بیان کیا ہے، دار المصنفین ممنون ہے کہ اسکے ناچیز خدمات کو بھی اس خطبہ مین پوری طرح سراہا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے جسمین کانفرنس نے ہم گوشہ نشینون کو یاد کیا ہے،

آجکل اسلامی اخبارات مین بعض انگریزی اخبارات و رسائل کے اُن مضامین کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہے جنمین ذات پاک نبوی اور خلفاے اسلام و تاریخ اسلام پر ناجائز نکتہ چینی کیگئی ہے، مسلمان اندازہ کرتے ہونگے کہ اس قسم کے مضامین مسلسل اور بالتواتر انگریزی اخبارات مین نکلتے رہتے ہین، اور کبھی کبھی ہماری چیخ پکار پر وہ معافی بھی مانگ لیتے ہین، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انگریزی میں ہمارا اسلامی تاریخی لٹریچر اتنا پیدا کیا جائے جو اس پروپگنڈے کا جواب ہوسکے،

مقالات

سیرۃ النبی جلد چہارم پر تبصرہ

(۲)

عالم مثال و عالم برزخ

(مؤلف)

عالم مثال

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور دوسرے علمائے کبار اور حضرات مجددیہ کی تقلید میں مؤلف نے عالم مثال کی نسبت لکھا تھا:-

"ایک تو عالم اجساد ہے جس کو تم مادہ اور مادیات کہتے ہو، دوسرا عالم ارواح یا عالم غیب جو مادہ اور مادیات سے منزہ اور ما فوق ہے، اور تیسرا عالم مثال یا عالم برزخ ہے، یہ وہ عالم ہے جہاں عالم اجساد اور عالم ارواح عالم شہادت اور عالم غیب دونوں کے اوصاف و قوانین مجتمع ہوتے ہیں" (سیرۃ سوم - طبع دوم صفحہ ۲۶)

اس بیان پر حافظ اسلم صاحب جیراجپوری کا ایراد ہے،

"کیا حقیقت میں ایسا کوئی عالم ہے، کیا شاہ ولی اللہ صاحب جو قرآن کے مترجم بھی تھے اور ماہر بھی اس عالم کے وجود پر اس سے ایک حرف کی بھی سند لا سکے، کیا اللہ جس نے عالم جسمانی اور عالم روحانی دونوں کی پوری پوری تفصیلات اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں، اتنے بڑے عالم جو دونوں کا جامع ہے بالکل خاموش رہگیا؟"

اگر بقول ناقد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب درحقیقت "قرآن کے ماہر" تھے تو اس کو باور کرنا چاہئے تھا کہ ایسا

ماہر قرآن بے حقیقت بات زبان پر نہیں لاسکتا تھا، مگر ظاہر ہے کہ جو سلف صالحین کی تقلید کا منکر ہے وہ بارہویں صدی
کے ایک "مترجم قرآن" کا گو وہ "ماہر" ہی ہو مقلد کیونکر ہو سکتا ہے! لیکن میرا حسن ظن یہ ہے کہ ناقد نے یا تو شاہ ولی اللہ
صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ پڑھی ہی نہیں ہے، یا پڑھی ہے تو سمجھی نہیں، ورنہ وہ احادیث کے علاوہ قرآن پاک کی
آیت بھی اس عالم کے متعلق اس میں پاتے،

سب سے پہلے تو میرا الزامی جواب ہے کہ آپ نے "عالم جسمانی" اور "عالم روحانی" دو دنیاؤں کو تو مطابق قرآن تسلیم
کرلیا، لیکن کیا ایک آیت بھی ہمارا موجودہ ماہر قرآن ایسی پیش کر سکتا ہے جس میں "عالم جسمانی" اور "عالم روحانی" کی پوری
پوری تفصیلات مذکور ہوں، قرآن پاک میں لفظ "عالم" کے ساتھ ان میں سے کسی عالم کا ذکر نہیں، جسم کی پیدائش اور روح کے
خلق ہونے کا ذکر ہے، مگر یہ امر کہ ایک "جسمانی عالم" اور دوسرا "روحانی عالم" اس سے الگ ہے، اس دعوٰی کے ثبوت میں وہ ایک ہی آیت پیش کریں

دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں، (جامعہ جنوری سنہ ۳۴ء ص ۶۳)

"اب رہا بقاے روح بعد از موت کا سوال تو روح کے متعلق قرآن نے تصریح کردی ہے کہ وہ

"عالم امر" ہے جس کا تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے"

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ	اور لوگ تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں کہدے
اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا	کہ روح میرے پروردگار کے "امر" میں سے ہے اور
قَلِيْلًا۔ (۱۰ ع ۵)	تم کو علم نہیں دیا گیا ہے مگر بہت کم،

ع ہ غلطی ہاے مضامیں مت پوچھ، اولاً تو اس آیت میں روح کی حقیقت کے سوال کے جواب میں کہا گیا ہے
کہ وہ رب کے امر سے ہے، اور انسان کو علم کم دیا گیا ہے، نہ کہ روح کی بقا کے، اس لئے بقاے روح کے سلسلہ میں اس آیت
کو پیش کرنا آئین خرد نہیں، دوسرے ذرا منکر حدیث "ماہر قرآن" کی تحریف اور قرآن میں اپنی عقل سے تحریفانہ اضافہ کی
ایک مثال دیکھئے کہ قل الروح من امر ربی کا ترجمہ وہ کرتا ہے "کہدے کہ روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے"
تمام دنیا کے ماہرین زبان عربی سے میری درخواست ہے کہ وہ بتائیں کہ اس ترجمہ "امر میں سے" کس قرآنی لفظ کا ترجمہ ہے

صحیح ترجمہ یہ ہے کہ کہدے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے، ایک لفظ "میں" بڑھا کر یہ کر دیا کہ "امر" کو ایک
مظروف بنا دیا ہے، جس میں کوئی چیز ہو، پھر یہ بھی ناقد کو معلوم ہے کہ جس روح کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد روح انسانی کے بجائے غالباً روح القدس ہے
اب آخر میں سوال یہ ہے کہ امر رب (رب کا حکم یا رب کا راز) کو ایک پورا عالم (عالم امر) ناقد نے کس قرآنی
آیت کے حکم سے بنا دیا، قرآن پاک میں ایسا اضافہ رسول کی عقل سے، اور کسی محدث و امام کی فہم و اجتہاد سے تو جائز
نہیں، لیکن ہر زید و عمر کی عقل و فہم سے قرآن پاک میں تو بر تو اضافے کس طرح جائز ہو گئے؟ اس "عالم امر" کے ثبوت پر
قرآن پاک کی کونسی آیت دال ہے،

اصل یہ ہے کہ ہماری بول چال میں لفظ عالم یا دنیا کسی ایک عمومی کیفیت یا عمومی حالت کے مشترک مفہوم کیلئے
بولا جاتا ہے، آپ دنیاے شباب، دنیاے خواب، عالم مدہوشی، عالم پیری، دنیاے سیاست، دنیائے عقل، عالم
تمنا وغیرہ سینکڑوں لفظ بولتے ہیں، مگر کبھی آپ کا ذہن ادھر متوجہ نہیں ہوتا کہ آپ نے عالم جسمانی و عالم روحانی کے
علاوہ سینکڑوں عوالم اور دنیائیں بنا لیں، اسی طرح مثالی حالت اور برزخی کیفیت کو عالم کہدیا گیا ہے، جیسا کہ آپ نے
"امر" کو عالم مان لیا ہے، اور یہ نہیں سوچا کہ اس عالم امر کے ثبوت میں قرآن کی کوئی آیت بھی ہے؛

عالم مثال کی اصطلاح بولنے والوں کے نزدیک، عالم مثال سے وہ عالم مراد ہے جس میں مجرد شے، کسی دوسرے
مناسب جسم میں، یا غیر مجسم شے مجسم ہو کر نظر آتی ہے، احادیث کے علاوہ قرآن پاک کی وہ آیت جس سے یہ اصطلاح
ماخوذ ہے حسب ذیل ہے،

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، (مریم)	تو فرشتہ مریم کے لئے (یا مریم کے سامنے) اچھا تندرست (پورا)
	آدمی کی مثالی صورت میں آیا،

غیر مجسم فرشتہ جو روح ہے (روح القدس) وہ بشر ہو کر نہیں، بلکہ بشر کی صورت میں متمثل ہو کر نظر آیا، اسی کا
نام عالم مثال ہے، قرآن پاک میں حضرت ابراہیم کے پاس مہمانوں کی صورت میں فرشتوں کا آنا، اور حضرت لوط کے پاس خوبصورت
حسین نوجوان بنکر آنا مذکور ہے، یہ سب عالم مثال کی مثالیں ہیں، غور کیجئے کہ غیر مجسم ارواح کس طرح مجسم ہو کر آتی ہیں، عالم

ورویا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ غیر مجسم چیزیں یا حقیقتیں اپنی مناسب معنوی شکلوں میں مجسم ہو کر دکھائی دیتی ہیں، اسی کر
اور جسم و روح کی وجہ مناسبت کو سمجھ لینا، علم تاویل رویا یعنی علم تعبیر خواب ہے،

قرآن پاک میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کو آفتاب و ماہتاب اور گیارہ ستارے سجدے کرتے نظر آئے، حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے مت کہنا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ اس تمثل کی حقیقت کو سمجھ گئے تھے، واقعات اب پہلو بہ پہلو بدلتے جاتے ہیں، یہانتک کہ حضرت یوسفؑ مصر کی مسند وزارت پر ہوتے ہیں، اور حضرت یوسفؑ کے والد، والدہ اور گیارہ بھائی ان کے ہاں آتے ہیں، اور ان کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اور حضرت یوسفؑ خوشی سے پکار اٹھتے ہیں،

هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ، (یوسف) یہ ہے میرے خواب کی تعبیر،

دیکھئے کہ اس تمثل میں باپ آفتاب، ماں چاند اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورت میں اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے مطابق نظر آئے ہیں، یہی عالم مثال کا دیدار ہے، پھر قحط اور سرسبزی کو دبلی اور موٹی گایوں کی صورت میں شاہ مصر کو دکھایا گیا، اور حضرت یوسفؑ نے اس کا مفہوم سمجھا،

موت کے بعد فرشتے کفار کی روحوں کو منھ اور پشت پر مارتے ہوئے لیجاتے ہیں قرآن کہتا ہے،

وَلَوْ تَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ — اور اگر تو دیکھے جب فرشتے وفات دیتے ہیں، کافروں
یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ، (انفال) — کو مارتے ہوئے انکے منھوں کو اور پیٹھوں کو،

یہ بعد موت اور قبل حشر کا واقعہ ہے، اس میں مرنے والے کفار کے منھوں اور پیٹھوں کے فرشتوں کے ذریعہ پیٹے جانے کی تصریح ہے، اس سے علاوہ ازیں کہ برزخ کا عذاب ثابت ہوا جارہا ہے، جس کے انکار کے لیے معترض نے مضمون لکھا ہے، سوال یہ ہے کہ مرنے کے بعد یا مرنے کی حالت میں کفار کے منھوں اور پیٹھوں کو فرشتے مارتے ہیں، انکی تصدیق ہمارا فرض ہے، لیکن بظاہر یہ ہمارے مشاہدہ کے خلاف ہے کہ کفار کے منھوں اور پیٹھوں پر ان مار کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا، شاہ ولی اللہ صاحب اس قسم کے واقعات کو عالم مثال کے مناظر کہتے ہیں،

قرآن میں ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا — بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ظلم کرکے کھاتے ہیں، وہ اپنے
اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ — پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں، اور عنقریب وہ دوزخ
سَعِیْرًا، (نساء-۱) — میں پیٹھینگے،

دنیا کے ظاہری و مادی مشاہدہ میں تو یہ نہیں ہے کہ یتیموں کا مال جو لوگ ظلماً کھاتے ہوں، ان کے پیٹوں میں آگ بھری ہوتی ہو، عالم مثال ماننے والے کہتے ہیں کہ مال حرام کی مثالی صورت یہی ہے، جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ — بیشک جو لوگ کتاب سے اللہ نے جو اتارا اس کو چھپاتے ہیں
وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ — اور اس کے ذریعہ (دنیا) کی تھوڑی دولت کماتے ہیں، وہ
فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ، (بقرہ-۲۱) — اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے لیکن آگ،

یہی عالم مثال ہو، سود کھانے والوں کے حال میں ہے،

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا — جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھتے لیکن جس طرح وہ
یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (بقرہ ۳۸) — اٹھتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو،

اس میں قیامت کا لفظ نہیں اور نہ استقبال کی تصریح ہے، حال کا صیغہ ہے اس میں سود خوار کیلئے مجنون کی مثالی صورت ظاہر کیگئی ہے، اس قسم کی اور بیسیوں آیتیں ہیں، اور انہیں آیتوں اور حدیثوں پر غور کرکے علماء روحانی نے عالم مثال کی اصطلاح قائم کی ہے، اور اس مثال و تمثل کا لفظ قرآن میں اور احادیث میں ہے جنکی تفصیل سیر جلد ۲ میں مذکور ہے

کیا اب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام قائم کیا جائے گا کہ

"کیا شاہ ولی اللہ صاحب جو قرآن کے مترجم بھی تھے اور ماہر بھی اس عالم کے وجود پر اس (قرآن) سے ایک حرف کی بھی سند لا سکے؟"

عالم برزخ

افسوس ہے کہ ناقد نے برزخ کے متعلق ہمارے قرآنی دلائل کے ابطال اور اپنے دعووں کے اثبات

میں جو کچھ کہا ہے، وہ نہ صرف یہ ہے کہ قرآن و احادیث و اجماع امت اور تصریحات سلف کے خلاف ہے بلکہ
انسانی عقل عام یعنی "کامن سنس" کے بھی خلاف ہے،

مؤلف نے اسلامی عقائد کے مطابق قرآن پاک کی آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ مرنے کے بعد سے لیکر
قیامت تک جو مدت ہے، اور جسکا نام قرآن نے برزخ بتایا ہے، اس برزخ میں بھی نیکوکاروں کو بہشت کا
اور بدکاروں کو دوزخ کا منظر دکھایا جاتا رہتا ہے، معترض اس کے برخلاف دو باتیں ثابت کرنا چاہتا ہے،

۱- مرنے کے بعد مردوں میں قرآن نے کسی قسم کا حاسہ تسلیم نہیں کیا ہے، نہ وہ انسانوں کی پکار سنتے ہیں
اور نہ علم و خبر رکھتے ہیں،

۲- میت کو برزخ میں زمانہ کا احساس نہیں ہوتا، اس لئے زمانہ نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہے کہ اس کو موت
کے وقت اور قیامت کے دن میں فصل محسوس نہ ہوگا،

انھیں دونوں مقدموں سے بالآخر یہ منطقی نتیجہ کسی طرح نکل آیا کہ عالم برزخ مطلق عالم ممات ہے، جس میں
نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے،

یہ دونوں باتیں نہ صرف یہ کہ غلط بلکہ بالکل بے بنیاد اور قرآن پر صریح تہمت ہیں،

پہلی بات کے ثبوت میں وہ حسب ذیل آیتیں پیش کرتے ہیں،

۱- وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا	اور جنکو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں
یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ	کرتے ہیں، بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں، مردہ ہیں
اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ،	زندہ نہیں، اور (اتنی بھی) خبر نہیں رکھتے کہ کب
۲۱/۱۶	اٹھائے جائیں گے،

اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ "مردوں میں حیات و شعور و احساس نہیں" غور سے پڑھئے اس میں کہیں
یہ ہے کہ "مردوں میں کسی قسم کی حیات اور شعور و احساس نہیں ہوتا" پھر مکرر پڑھئے، ان میں سے ایک چیز کا بھی ذکر

اگر ہے تو یہ ہے کہ ان بتوں اور پتھروں میں جنکو عرب کے یہ کفار و مشرکین پوجتے ہیں اور پکارتے ہیں، خلق اور پیدا کرنے
کی قوت نہیں، بلکہ وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ان بتوں، مورتوں اور پتھروں میں تو حیات بھی نہیں، وہ
تو مردہ ہیں، ان میں تو علم بھی نہیں، ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے، حالانکہ خدا وہ ہے
جو خالق ہو، جو حیّ (زندہ) ہو، جس کو یہ معلوم ہو کہ قیامت کب ہوگی،

ناظرین آیت مذکور پر پھر غور کریں کہ اس میں مردہ انسانوں کے عدم حیات و عدم شعور و احساس کے متعلق
ایک حرف بھی خدا نے فرمایا ہے؟

۲- وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ	اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ان لوگوں
دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ	کو پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک بھی اس کو جواب
وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ	نہیں دینگے، اور وہ اُن کی پکار سے بے خبر ہیں
كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ	اور جب لوگ اٹھائے جائینگے تو وہ ان کے دشمن بنجائینگے
۶/۴۶	اور انکی پرستش کا انکار کرینگے،

اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ مردے برزخ کے عالم میں بے خبر اور غافل رہتے ہیں، ناظرین! تامل کی ایک
نظر! اس آیت میں اس قسم کا کوئی مفہوم ہے کہ مردے عالم برزخ میں بے خبر اور غافل رہیں گے؟ اگر ہے تو یہ ہے کہ جن
بتوں، مورتوں، پتھروں، فرشتوں، جنوں اور آدمیوں کو وہ مصیبت کے وقت پکارتے ہیں، ان میں سے کوئی انکی
دہائی اور پکار کو قیامت تک نہیں پہنچے گا، بلکہ وہ ان کے اس دہائی پکارے جانے کی اور ان کی اس التجا و درخواست
کی خبر بھی نہیں رکھتے، بلکہ قیامت کے بعد جب سب اگلے پچھلے اکٹھے ہونگے، وہ اپنے پوجنے والوں کے منکر اور دشمن ہوجائینگے،

اس میں مردوں کے عالم برزخ میں بے خبر اور بے احساس ہونے پر کون سا حرف دلالت کر رہا ہے،

۳- وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا	اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انکو
یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ	ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ

شفعاء نا عند الله قل اتنبئون الله بما لا يعلم — کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں، کہدے کہ کیا اللہ کو ان کے ذریعہ

فی السمٰوٰت ولا فی الارض ۔ (۱۸/۱۰) — سے خبر پہنچاتے ہو جنکو آسمان اور زمین کی کسی شے کا علم نہیں،

اوّل تو اس ترجمہ میں حسب دستور تحریف کیگئی ہے، بما میں ب استعانت کے لئے نہیں بلکہ تنبئون کا صلہ ہے، پھر

"کسی شے" کا لفظ قرآن میں نہیں جس کو بڑھا دیا گیا ہے، آیت کے خط زدہ حصہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے، "کیا تم

اللہ کو وہ بتاتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے، نہ زمین میں" ان دو ترجموں میں سے کون صحیح ہے، اس کا

فیصلہ علماء اور مفسرین کی رائے کے مطابق آپ کو قبول نہ ہوگا، اس لئے جامعۂ ملیہ کا ہر عربی جاننے والا مدرس

اس کا ثالث ہے،

اب اس تحریف کو جانے دیجئے، آئیے غور کریں کہ اس آیت کے کس حرف سے یہ ثابت ہوا، کہ "عالم برزخ

میں انسان علم سے محروم رہتے ہیں"؟ آپ کی تحریف کے بموجب بھی اگر ثابت ہوگا تو یہ کہ بت اور اصنام اور دیگر معبودان

باطل خواہ زندہ ہوں یا مردہ، آسمان و زمین کی کسی شے کا علم نہیں رکھتے،

۴۔ والذین تدعون من دونه — اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی

ما یملکون من قطمیر ان تدعوهم — گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں، اگر تم اون کو

لا یسمعوا دعاءکم و لو سمعوا ما استجابوا — پکاروگے، تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے، اور

لکم و یوم القیامة یکفرون بشرککم — جو سنتے بھی، تو جواب نہ دیتے، اور قیامت کے

(۱۴/۳۵) — دن تمھارے شرک سے انکار کریں گے،

اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے، کہ مردے سنتے نہیں، حالانکہ اس سے ثابت یہ ہوتا ہے، کہ معبودان باطل

جنکی دہائی یہ کفار پکارتے ہیں، سنتے ہی نہیں، اور بالفرض سنیں بھی تو اون کی درخواست کی قبولیت کا جواب بھی

نہیں دے سکتے، اور قیامت کے دن اون کے ان مشرکانہ اعمال سے وہ انکار کریں گے، کہ ہم کو ان سے کوئی

تعلق نہیں،

اگر بالفرض ان آیتوں کا یہی منشاء ہو، کہ مردے قبروں میں اپنے پوجنے والوں کی آواز اور پکار نہیں سنتے، تو

اس سے اس بات کی تردید کیونکر ہوگئی، کہ برزخ میں بہشت و دوزخ کے مناظر بھی ان کو اللہ تعالیٰ نہیں دکھاتا،

حالانکہ ہماری بحث سماع موتیٰ کے مسئلہ پر نہیں، بلکہ برزخ کے عذاب و ثواب کے مسئلہ پر ہے، مؤلف نے یہ دعویٰ نہیں

کیا کہ مردے اپنے پکارنے والوں اور دہائی دینے والوں کی آوازیں سنتے ہیں، بلکہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کی

آوازیں سنتے ہیں، اور عالم برزخ کے مناظر دیکھتے ہیں!

"موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں" یہ معترض کا دوسرا دعویٰ ہے، جو نہ صرف یہ کہ دلائل سے خالی ہے، بلکہ عقلاً بے معنی ہے،

آپ کچھ بھی کیجئے، اور کہیں بھی جائیے زمان و مکان سے آزاد نہیں ہو سکتے، دعویٰ یہ ہے کہ "موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں"

اور ثابت یہ کیا گیا ہے کہ "مردوں کو زمانہ کا احساس نہیں ہوگا" کیا دعویٰ اور نتیجہ میں کوئی منطقی تطابق ہے؟ ایک بے ہوش ہوا

یا مجروح کو زمانہ کا صحیح احساس نہیں ہوتا، لیکن کیا زمانہ اس کے حق میں فنا ہو جاتا ہے؟

اس بارہ میں قرآن مجید کی جو آیتیں انھوں نے پیش کی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی ان کے اس دعویٰ کی تائید نہیں،

ان کی پیش کردہ پہلی آیت یہ ہے،

ویوم یحشرهم کان لم یلبثوا الا ساعة — اور جس دن اللہ ان کو اٹھائیگا وہ خیال کرینگے کہ دن کی ایک گھڑی

من النهار یتعارفون بینهم (۵/۱۰) — سے زیادہ نہیں رہے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہونگے،

اس آیت میں "وہ خیال کرینگے" کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے اور "گویا" کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے، وہ معترض کا خود اپنے دل

سے اضافہ ہے، اور "حشر" کے معنی اٹھانے کے بھی نہیں، جمع کرنے کے ہیں، ہمارے دعویٰ کی دلیل کتب لغت اور قرآن ہے،

فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا، تو فرمایا گیا فحشر فنادیٰ، قیامت سے پہلے کے احوال میں ہے، واذا الوحوش حشرت

یہود کی جلاوطنی کے لئے ہے، لاول الحشر، وغیرہ، اس لئے آیت مذکورہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے،

"اور جبدن وہ (خدا) ان (کافر مردوں) کو اکھٹا کریگا، گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی رہے، آپس میں پہچانتے ہونگے"

۱۔ اوّل تو سوال یہ ہے کہ جب دن کی ایک گھڑی کا بھی احساس ہو گیا تو زمانہ کا احساس ہو گیا،

۲۔ اس آیت میں کہیں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے بالتخصیص یہ معلوم ہو کہ یہ سوال زمین میں قبر کے اندر یا برزخ میں یا دنیا میں رہنے کے متعلق ہے؟ پھر اس کو بالیقین برزخ میں رہنے کے متعلق قرار دینا بے وجہ قرآن پر اضافہ کرنا ہے،

۳۔ خدائے تعالیٰ آیت میں فرماتا ہے کہ "گویا وہ ایک گھڑی رہے"۔ اس "گویا" کا صاف مفہوم یہ ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں کہ وہ دن کی ایک ہی گھڑی رہے، بلکہ اُن کو معلوم ایسا ہوگا،

اسی طرح اس قسم کی دوسری آیتوں کے ترجمہ میں بھی، اسی قسم کی تحریف کی گئی ہے،

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۔ ۳۵/۴۶

جسدن وہ اس (حشر) کو دیکھینگے جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ (خیال کرینگے) کہ بس دن کی ایک گھڑی رہے ہیں،

اس آیت میں "وہ خیال کرینگے" کے الفاظ کہیں نہیں ہیں، صحیح ترجمہ یہ ہے،

"وہ جسدن دیکھینگے جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے لیکن دن کی ایک گھڑی"

"گویا" کے مفہوم سے یہ ظاہر ہے کہ ان گنہگاروں کا ایسا سمجھنا کہ وہ دن کی ایک ہی گھڑی رہے واقعہ نہ ہوگا،

ایک اور آیت میں ہے،

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۔ ۳۰/۵۵

اور جسدن قیامت کھڑی ہوگی مجرم قسم کھائینگے کہ وہ ایک گھڑی زیادہ نہیں رہے (خدا کہتا ہے) کہ اسیطرح وہ بھٹکائے جاتے تھے،

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مجرموں کے اس قول کو کہ "وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے" بھٹکنا (افک) فرما رہا ہے کہ جسطرح وہ دنیا کی زندگی میں بھٹکتے رہے، اسی طرح اس اظہار میں کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے بھٹک رہے ہیں، اور باطل کہہ رہے ہیں، اب جس امر کو یعنی مجرموں کے اس کہنے کو کہ وہ ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں رہے، خدا افک اور باطل فرمائے اس کو ناقد کا حق کہنا اور سمجھنا کسی طرح حق ہو سکتا ہے؟

قیامت کے دن مجرموں کے اس قول کا کہ "وہ بہت کم رہے" قرآن کی حسب ذیل آیتوں میں ذکر ہے، جنکو ادھ کٹا کر کے متوفی نے نقل کیا ہے۔

۱۔ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۔ (بنی اسرائیل - ۵)

پس یہ لوگ کہیں گے ہم کو دوبارہ کون زندہ کر سکے گا؟ کہہ کہ وہ جسنے تمکو پہلی بار پیدا کیا، اس پر یہ لوگ تیرے آگے (انکار کے طور پر) سر مٹکانے لگیں، اور کہینگے کہ وہ کب ہے؟ کہہ کہ عجب نہیں کہ قریب ہو جسدن وہ تمکو بلائیگا اور تم اسکی تعریف کرتے ہوئے تعمیل حکم کروگے اور گمان کروگے کہ بس تم تھوڑے ہی دنوں رہے،

۲۔ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۔ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۔ (روم - ۶)

اور جسدن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے علاوہ نہیں ٹھہرے، اسی طرح یہ لوگ بہکے تھے، اور وہ لوگ جنکو علم اور ایمان دیا گیا کہیں گے کہ تم خدا کے نوشتہ میں یوم البعث تک ٹھہرے اور یہ یوم البعث (قیامت) ہی ہے، مگر تمکو اس کا علم (یقین) ہی نہ تھا،

۳۔ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۚ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۔ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۔ نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۔ (طٰہٰ - ۵)

جسدن نرسنگھا پھونکا جائیگا، اور ہم مجرموں کو اکٹھا کریں گے اس دن انکی آنکھیں نیلی ہونگی، آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے نہیں ٹھہرے تم مگر دس دن، ہم اس سے واقف ہیں جو وہ کہینگے جب ان میں سب سے زیادہ صحیح الخیال والا کہے گا کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن،

۴۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۔ (یونس - ۵)

اور جسدن وہ انکو اکٹھا کریگا گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی، آپس میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے، بیشک ٹوٹے میں ہیں وہ جنہوں نے خدا کی ملاقات کو جھٹلایا اور نہ تھے وہ ہدایت یافتہ،

۵۔ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ

اور جلدی نہ کر ان کے لئے جس دن وہ دیکھیں گے جسکا ان سے

يوعدون لم يلبثوا الا ساعة من نهار (احقاف)

وعدہ کیا جاتا ہے گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی

۶۔ يسئلونك عن الساعة ايان مرسٰها
فيم انت من ذكرٰها، الى ربك منتهٰها،
انما انت منذر من يخشٰها، كانهم يوم
يرونها لم يلبثوا الا عشية او ضحٰها،
(نازعات ۲)

یہ لوگ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اسکا کہیں ٹھ
ہرا بھی ہے؟ تم اسکی فکر میں کہاں پڑے ہو! اسکی انتہا تیرے رب
تک (جاکر ٹھہرتی) ہے، تم تو جو اس سے ڈرتا ہو اسکو خبردار کرنے
والے ہو، جس دن وہ اس کو دیکھیں گے، گویا نہیں ٹھہرے مگر
آخر پہر یا اول پہر،

۷۔ قال كم لبثتم في الارض عدد سنين
قالوا لبثنا يوما او بعض يوم فاسئل العادين
قال ان لبثتم الا قليلا لو انكم كنتم تعلمون
(مومنون ۶)

خدا کہیگا تم زمین میں گنتی کے کتنے برس ٹھہرے؟ وہ جواب
دینگے ہم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرے، تو گننے والوں
سے پوچھ، خدا کہیگا تم بہت کم ٹھہرے کاش تم (اسکو)
جانتے ہوتے،

یہ سات آیتیں ہیں جنمیں یہ بیان ہے کہ گنہگار قیامت کے دن "مدت قلیل کے قیام اور ٹھہرنے کا اقرار کرینگے" سوال یہ ہے کہ یہ کہاں کے قیام اور ٹھہراؤ کے متعلق سوال و جواب ہے، بیشتر اس کی تصریح نہیں ہے، اب ناقد کا ان میں سے بعض آیتوں کو جن میں "گھڑی بھر" کا ذکر ہے، برزخ کے قیام سے متعلق بتانا، ذاتی قیاس و اجتہاد کے سوا کس دلیل قرآنی پر مبنی ہے؟ اور "لبث فی الارض" اور "لبث فی کتاب اللہ" کی تفریق قرآن سے بے ثبوت ہے، کتاب اللہ کے معنی "خدا کے علم میں" ہیں، انھیں معنوں میں قرآن پاک نے اس محاورہ کو ایسے مواقع پر استعمال کیا ہے، ان میں سے ہر آیت میں "گویا" کا لفظ ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ کا صحیح احساس ان کو نہ ہونا، واقعہ نہ ہوگا،

جس حالت میں کہ برزخ میں بقول ناقد زمانہ ہی نہیں، گنہگاروں کا یہ کہنا کہ ہم برزخ میں گھڑی بھر رہے، یا ایک شام رہے، یا ایک صبح رہے، محض بے معنی ہے، اور پھر اس بار بار کے اظہار کی کہ ہم برزخ میں ایک گھنٹہ رہے حاجت کیا ہے؟ اور کس فائدہ کے لئے اس کا اعادہ ہے؟

غور فرمائیے کہ سات آیتوں میں سے ساتویں آیت میں تخصیص ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سوال اور گنہگاروں کا جواب زمین میں قیام اور سکونت اور ٹھہرنے کے متعلق ہے، خواہ وہ زمین کے اوپر رہنا ہو یعنی دنیاوی زندگی، یا زمین کے اندر رہنا ہو یعنی قبر میں، غرض ہر انسان کی دنیاوی زندگی کے آغاز سے لیکر قیامت کے دن تک کے ٹھہراؤ اور قیام کے متعلق یہ بیان ہے کہ وہ نہایت ہی قلیل مدت ہوئی،

پہلی، دوسری اور تیسری آیت میں یہ تصریح ہے کہ قیامت کے منکر قیامت کو بہت بعید سمجھکر جلدی کرتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی، لاکھوں برس تو وعدہ پر گذر چکے، ہمارے باپ دادوں سے بھی یہی وعدہ ہوا، اور ہر پیغمبر نے اگر یہی کہا کہ بس قریب ہے، مگر وہ آئی ہی نہیں، در اصل قیامت کے ان منکرین یا مستبعدین کے جواب میں یہ آیات ہیں کہ جب قیامت آئیگی تو تم کو یہی معلوم ہوگا کہ قیامت کے آنے میں جو دیر ہوئی وہ ایک گھنٹہ یا ایک صبح یا ایک شام یا ایک دن سے زیادہ نہیں ہوئی، اس لئے قیامت کو بہت دور نہ سمجھو، یہ ہے ان آیات کا منشا جس کو معترض نے اپنی غلط فہمی سے اس ثبوت میں پیش کیا ہے، کہ برزخ میں زمانہ نہیں، اور موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں، اگر یہ استدلال صحیح ہے تو کیا جس ساتویں آیت میں بالتخصیص زمین میں قیام کی نسبت سوال ہے کیا اس سے یہ استدلال درست ہوگا کہ حیات دنیاوی میں زمانہ نہیں، اور حیات دنیاوی اور قیامت میں فصل زمانی نہیں،

دیکھئے اصحاب کہف ازروے قرآن تین سو برس تک سوتے رہے، مگر جب وہ جاگے تو ان کو یہ اتنی بڑی مدت صرف ایک دن یا ایک دوپہر معلوم ہوئی،

قال قائل منهم كم لبثتم قالوا لبثنا يوما
او بعض يوم قالوا ربكم اعلم بما لبثتم
...... ولبثوا في كهفهم ثلث مائة
سنين وازدادوا تسعا قل الله اعلم بما
لبثوا، (کہف ۳ و ۴)

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنا ٹھہرے؟ انھوں نے
جواب دیا ہم ایکدن یا اس سے بھی کم ٹھہرے، انھوں نے کہا تمہارا
پروردگار زیادہ جانتا ہے جتنا تم ٹھہرے، ...... اور
وہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے اور نو برس اور زیادہ (کئے)
کہہ اللہ زیادہ جانتا ہے جتنا وہ ٹھہرے،

اسی طرح ایک اور صاحب نے جنکو اللہ تعالیٰ نے سو برس کی موت کے بعد زندہ کیا، یہی کہا،

فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ، قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ، قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ، قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ (بقرہ - ۳۵)

پس اسکو خدا نے سو برس تک مردہ رکھا، پھر اس کو اٹھایا، خدا نے پوچھا تم کتنا ٹھہرے؟ اس نے جواب دیا میں ایکدن یا اس سے بھی کم ٹھہرا، خدا نے کہا بلکہ تم سو سال تک ٹھہرے"

کیا اصحاب کہف اور اس صد سالہ مردہ کے یہ کہنے سے کہ ہم ایک دن یا آدھے دن تک سوئے یا مرے رہے، یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جس حالت میں تھے، وہ حالت زمانہ کی قید سے پاک تھی، حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلی جماعت ۳۰۹ برس تک سوتی رہی، اور دوسرے صاحب سو برس تک مرے پڑے رہے،

غرض مردہ کو زمانہ کا صحیح احساس نہ ہونا اور بات ہے، اور نفس زمانہ کا برزخ میں فنا ہونا اور بات ہے، فافہم،

مرقد | مؤلف نے لکھا تھا کہ مردہ میں برزخ کے عذاب و ثواب کا تصور، خواب کے واقعات کی طرح ہوگا، اور اس ثبوت میں قرآن پاک یہ آیت نقل کی تھی کہ قیامت میں لوگ کہیں گے،

مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ، (یس)

ہم کو کس نے ہمارے خوابگاہ سے جگایا،

مؤلف نے یہ لکھا تھا کہ "مرقد" یعنی خوابگاہ سے مراد "قبر" یا برزخ کا مقام ہے، خواہ وہ زمین ہو یا دریا ہو یا کسی شیر کا پیٹ ہو یا کوئی جگہ بھی ہو، معترض کہتا ہے کہ "مرقد" خوابگاہ سے مراد وہ پلنگ یا بستر ہے جہاں پڑے ہوئے مردہ نے وفات پائی، یہ ایک لغت کی بحث ہے، اسکا فیصلہ صرف لغت سے ہو سکتا ہے، ہر اردو فارسی جاننے والا بھی یہ جانتا ہے کہ "مرقد" قبر سے استعارہ ہے، نہ کہ بستر مرگ سے، کتنے شاعروں نے اس لفظ کو استعمال کیا ہوگا، اور شاید معترض نے بھی بحیثیت شاعر کے مرقد کو کتنی بار قبر کے معنوں میں استعمال کیا ہوگا،

اب آیئے کتب تفسیر میں لغت کی حیثیت سے، نہ کہ روایت کی حیثیت سے اس کی تحقیق کریں، ابن جریر طبری نے اہل لغت سے اسکی دو تحقیقیں نقل کی ہیں، ایک یہ کہ یہ ظرف ہے اور اسکے حقیقی معنی خوابگاہ ہیں، اور مجازی معنی قبر کے ہیں، دوسری یہ کہ یہ مصدر بھی ہے، اور اس کے معنی خواب اور نیند کے ہیں، اس دوسری صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "ہم کو ہماری نیند سے

کس نے جگایا؟" اور اس میں بھی برزخ کی کیفیت کو نیند سے تعبیر کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہمارے دعویٰ کے موافق ہے،

اب آیئے خالص لغت کی کتابیں دیکھیں،

ویحتمل ان یکون المرقد مصدرا و یحتمل ان یکون موضعًا وھو القبر (لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۱۶۲)

اور احتمال ہے کہ مرقد مصدر ہو، اور (یہ بھی) احتمال ہے کہ وہ ایک جگہ ہو یعنی قبر،

بہرحال لفظی بحث کو چھوڑ کر اصل معنی پر آیئے، اب خواہ مرقد سے بستر مرگ مراد لیجئے، یا قبر، یا مصدری معنی خواب، ہر حال میں تسلیم کرنا ہوگا، کہ برزخ کی کیفیت ایک خواب کی ہوگی، جیسا کہ مؤلف نے بدلائل کہا ہے، نہ کہ مطلق بے خبری و بے حسی و بے علمی اور فنائے محض اور ممات مطلق کی،

برزخ کے معنی | قرآن کی آیت ہے،

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ،

اور ان (مرنے والوں) کے پیچھے پردہ ہے اسوقت تک کہ وہ اٹھائے جائیں گے،

سوال یہ ہے کہ پردہ کن دو چیزوں کے درمیان ہے، صاف ظاہر ہے کہ اسکی ایک حد تو بعث یعنی اٹھایا جانا ہے، اور دوسری حد یہ موجودہ دنیاوی زندگی ہے، اور ان دونوں حدوں کا کنایہ خود اسی آیت مذکورہ سے نکلتا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ برزخ کا پردہ، حیات دنیاوی اور بعث بعد الموت یا قیامت کے بیچ کا وقفہ ہے، اب دیکھئے کہ معترض اس آیت سے کیا مفہوم سمجھتا ہے،

"مردوں کیلئے برزخ موت سے حشر تک ہے اس درمیان میں وہ اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں"

برزخ رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جانے کا نام نہیں، یہ قرآن پاک کے مفہوم میں اپنے ذاتی قیاس سے اضافہ ہے، بلکہ برزخ حیات دنیا اور قیامت کے بیچ کی آڑ یا حاجب یا پردہ یا درمیانی منزل کا نام ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت مذکورہ میں ہے،

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ،

اور ان (مرنے والوں کی حیات دنیا کے) پیچھے اس دن تک پردہ ہے، جب وہ اٹھائے جائیں گے،

پس یہ پردہ حیات دنیا اور قیامت کے بیچ میں ہے، نہ کہ "رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جانے کے" جسکا اس

آیت میں تذکرہ تک نہیں، خود ناقد نے برزخ کو موت سے حشر تک مانا ہے، مگر پھر رب کی حضوری سے اڑا کر آیت بالا کے مفہوم اور برزخ کی حقیقت کے اظہار میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے،

الیوم مؤلف نے موت کے وقت ہی سے عذاب و ثواب کے مناظر شروع ہو جانے کے ثبوت میں وہ چند آیتیں پیش کی تھیں جنمیں موت کے واقعہ کے سلسلہ میں یہ مذکور ہے کہ آج عذاب کا مزہ چکھو، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہی سے عذاب و ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ناقد اس کے جواب میں کہتا ہے کہ چونکہ موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں اس لئے آج کے معنی قیامت کے دن کے ہیں، نہ کہ موت کا دن، اس دعوی کی کہ موت اور قیامت کے درمیان فصل زمانی نہیں ابھی پردہ دری ہو چکی ہے، اور ناقد کی غلطی عیاں کیجا چکی ہے، اس لئے موت کے سلسلہ میں آج سے مقصود قیامت کا دن قیامت تک نہیں ہو سکتا،

ناقد کو نحو کا یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہئے کہ الیوم (آج) ظرف زمان ہے، یہ جس فعل کے سلسلہ میں ہوگا اسی فعل کا زمانہ مقصود ہوگا، مثلاً اگر آپ یہ کہیں "دشمن سے لڑائی ہو رہی ہے، آج بہادری کا حال معلوم ہوگا" تو اس آج سے مراد لڑائی کا دن ہوگا، اور اگر آپ یہ کہیں، امتحان ہو رہا ہے، آج آپکی علمیت کا پتہ چل جائیگا، تو اس آج سے مقصود امتحان کا دن ہوگا، بنابریں موت کے ذکر میں جب آج کا لفظ آئیگا تو اس سے موت کا دن مراد ہوگا، نہ کہ قیامت کا، مثلاً قرآن میں ہے،

وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ — اور کاش تو دیکھے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوں اور
الْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمُ اَلْیَوْمَ — فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوں، نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ — کے عذاب کی سزا دیجائیگی، اس لئے کہ تم خدا پر ناحق
عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ (پ۷) — بات کہتے تھے،

اب یہاں الیوم (آج) سے مراد موت کا وقت ہوگا، اب اگر کسی دوسری آیت میں الیوم کا اطلاق قیامت کے دن پر بھی ہوا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں کہیں بھی الیوم بولا جانے وہاں قیامت ہی کا دن مراد ہو، قرآن میں ہے،

۱- الیوم اکملت لکم دینکم (مائدہ) — آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا،

۲- اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ، (مائدہ) — آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئیں،
۳- اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ (یوسف) — تم آج ہمارے ہاں بڑے رتبہ والے امانتدار ہو،
۴- لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، (یوسف) — تم پر آج کوئی سرزنش نہیں،
۵- فلن اکلم الیوم انسیا، (مریم) — میں آج کسی آدمی سے بات نہیں کر سکتی،
۶- قَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی (طٰہٰ) — اور آج وہ کامیاب ہے جو بازی لے گیا،
۷- فالیوم ننجیک ببدنک، (یونس) — پس آج ہم تیرے بدن کیساتھ تجھکو نجات دینگے،

ان تمام آیتوں میں الیوم (آج) سے مقصود وہ دن ہے جسمیں اسکا فعل واقع ہوا، چنانچہ پہلی آیت میں الیوم سے مقصود دین کی تکمیل کا دن (۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ) ہے، دوسری میں پاک چیزوں کے حلال ہونے کا دن، تیسری میں حضرت یوسف کا عزیز مصر کے دربار میں عزت پانے کا دن، چوتھی میں حضرت یوسف ؑ کے بھائیوں کا حضرت یوسف ؑ کو پہچان لینے کا دن، پانچویں میں روزہ کا دن، چھٹی میں حضرت موسیٰ اور مصری جادوگروں کے مقابلہ کا دن، اور ساتویں میں فرعون کے ڈوبنے کا دن،

الیوم کو ہر جگہ قیامت کے معنی میں سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی پرانے لالہ صاحب فارسی میں فردا کے معنی کہیں قیامت کے سن لیں، تو ہر جگہ فردا کے معنی قیامت ہی کے لگانے لگیں،

واؤ بمعنی یعنی مؤلف نے برزخ کے عذاب کے ثبوت میں یہ آیت پیش کی تھی، کہ فرعونیوں کے بارہ میں قرآن میں ہے،

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ — آگ پیش کئے جاتے ہیں وہ اسپر صبح اور شام اور جس دن
تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ — قیامت کھڑی ہوگی، (حکم ہوگا) آل فرعون کو زیادہ سخت
(پ۲۴) — عذاب میں داخل کرو،

اس آیت میں چونکہ قیامت سے الگ، بلکہ پہلے ہی ہر صبح و شام فرعونیوں کے آتش دوزخ پر پیش ہونے کا ذکر ہے، جس سے کھلے طور پر برزخ کے عذاب کا ثبوت ہوتا ہے، اس لئے ناقد نے اسکی تاویل اس طرح کی کہ کہتا ہے کہ مؤلف نے ویوم تقوم الساعۃ (اور جس دن قیامت کھڑی ہوگی) میں واؤ کا ترجمہ اور کیا ہے، جو غلط ہے، بلکہ واو کا ترجمہ یعنی کرنا چاہئے یعنی

آگ جس پر وہ صبح اور شام پیش کئے جائینگے، یعنی قیامت کے دن حکم دیا جائیگا، کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو،

اب گویا ناقد کے نزدیک یہ ثابت ہوگیا کہ صبح وشام سے قیامت مقصود ہے،

واؤ کا اس طرح "یعنی" ترجمہ ہونا، میں تحدی کرتا ہوں کہ نحو کے کسی قاعدہ سے ثابت کیا جائے، عربی زبان میں اس طرح واؤ کا ترجمہ یعنی نہ کبھی ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے، نہ ہوگا، یہ سراسر قرآن کی تحریف ہے، میں ہر اس شخص سے جو عربی نہیں جانتا، یہ التماس کرونگا کہ اس کے پاس اگر قرآن کا اردو یا انگریزی ترجمہ ہے تو وہ چوبیسویں پارہ میں چالیسویں سورۂ (مومن)، کی پانچویں رکوع کی چھیالیسویں آیت میں دیکھلے کہ ویوم میں ؔو کا ترجمہ "اور" کیا گیا ہے یا "یعنی"

شاید ناقد کے کانوں میں طالب علمی کے وقت عطف بیان یا عطف تفسیر کا لفظ پڑا ہوگا، مگر ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عطف بیان میں "واؤ" نہیں آتا، جیسے ابو حفص عمر، دوسرا عطف مرادفات ہے، جو مرادفات کے بیچ میں آتا ہے، جیسے حسن وجمال، فضل وکمال، یا اور اسی قسم کے الفاظ کے درمیان، جیسے قرآن میں ہے انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ (یوسف) غدوا وعشیا (یعنی صبح وشام) اگر ویوم تقوم الساعۃ (جس دن وہ گھڑی ہوگی) کا مرادف ہوتا، تو کہہ سکیں تو عطف ترادف لینا ممکن ہوگا، مگر یہاں ایسا ممکن نہیں، کہ صبح وشام کا اطلاق ہر صبح وشام پر ہوتا ہے اور جس دن وہ گھڑی کھڑی ہوگی" کا جملہ صبح وشام کا مرادف نہیں، یہ خاص روز قیامت کے وقوع سے عبارت ہے، بنابریں یہ واؤ یعنی کے معنی نہیں دے سکتا، الغرض "واؤ" اپنے ماقبل کی تفسیر کیلئے یوں نہ کبھی آتا ہے، اور نہ آسکتا ہے، نہ عربیت میں اسکی کوئی مثال ہے، اور یہ صریحاً قرآن پاک کی تحریف ہے،

موت وحیات کے معنی | ناقد کی اصلی دقت یہ ہے کہ موت وحیات کے قرآنی معنی پر اسکی نظر نہیں، قرآن پاک میں روح اور جسم کے ائتلاف کو حیات، اور ان کے افتراق کو موت کہا گیا ہے، قرآن کے اشارات سے ثابت ہے کہ اجسام کی خلقت سے بہت پہلے ارواح کی پیدائش ہے، جنھوں نے الست بربکم کا جواب دیا، تاہم جب تک ان ارواح کا ان کے اجسام سے ائتلاف نہیں ہوا، ان پر موت کا اطلاق کیا گیا، کنتم امواتا فاحیاکم، پھر جب موت کے وقت روح نے

جسم سے مفارقت کی تو اس پر موت کا اطلاق ہوا، اور یہ عالم برزخ کی کیفیت ہے، پھر جب قیامت میں روح کا جسم سے ائتلاف ہوگا تو وہ حیات ہوگی،

موت کے لئے قرآن نے روح کو جسم سے نکالنا کہا ہے، فنا کرنا نہیں کہا ہے،

ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت — اور کاش تو دیکھے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوں

والملئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم (۹۵) — اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوں، کہ نکالو اپنی جانیں،

فلولا اذا بلغت الحلقوم ۔۔۔۔ فلولا ان کنتم — تو کیا جب روح گلے میں آپہنچے ۔۔۔۔ پس اگر تم کسی کے تابع نہیں

غیر مدینین ترجعونھا ان کنتم صٰدقین (واقعہ ۳) — ہو تو روح کو (جسم میں) کیوں نہیں پلٹاتے، اگر تم سچے ہو،

اس سے معلوم ہوگیا کہ موت روح کے جسم سے نکلنے کا نام ہے، روح کی فنا کا نام نہیں ہے، قرآن پاک نے دوسری جگہ اس کو امساک روح یعنی "خدا کا روح کو اپنے پاس روک لینا" کے الفاظ سے ادا کیا ہے،

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت — خدا وفات دیتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جنکو

فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت — موت نہیں آئی (انکو وفات دیتا ہے) ان کی سونے کی حالت میں

ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمی (زمر ۲۴) — تو روک لیتا ہے ان کو جن پر موت کا فیصلہ کر چکا، اور دوسرے کو مقرر

آپ نے دیکھا کہ خدا کا روح کو اپنے پاس روک لینے کا نام موت ہے، یہ کہنا کہ انفس کے معنی "اشخاص" کے ہوتے ہیں، قرآن اور عربیت سے انحراف کرنا ہے، نیند اور موت کی حالت میں اشخاص کو اپنے پاس روک لینے اور چھوڑ دینے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے، اور یہاں انفس کے معنی سوائے ارواح کے کچھ اور نہیں ہو سکتے، نیند اور موت کی حالت میں اشخاص چھوڑے اور روکے نہیں جاتے، روحیں چھوڑی اور روکی جاتی ہیں،

قیامت کے دن جو دوبارہ حیات ہوگی، اسکی صورت کیا ہوگی،

واذا النفوس زوجت (تکویر) — اور جب روحیں جوڑی جائینگی،

یعنی روحوں کا جسموں سے دوبارہ ائتلاف ہوگا،

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ارواح عالم برزخ میں باقی اور قائم رہتی ہیں، اور اس حالت بقا اور قیام میں عذاب و ثواب کے مناظر سے دوچار ہوتی ہیں، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا،

برزخ کے عذاب و ثواب کی آیتیں

ناقد کے نزدیک صرف شہید لوگ "برزخ کو ایک دم پار کرکے" جنت میں چلے جاتے ہیں، بقیہ تمام اصناف انسانی برزخ میں عالم مماتِ مطلق میں بےخبر پڑی رہتی ہیں، مؤلف نے اس سلسلہ میں سورۂ یٰس کی ایک آیت پیش کی تھی جس میں ایک شخص کے مرنے کے بعد ہی جنت میں چلے جانے کا ذکر ہے،

قیل ادخل الجنۃ قال یٰلیت قومی یعلمون (یٰس) کہا گیا جنت میں داخل ہو اس نے کہا کاش میری قوم جانتی،

مؤلف نے تفسیر کی بعض روایات کی بنا پر یہ لکھا تھا "سورۂ یٰس میں اپنی قوم کے ایک خیر خواہ کا ذکر ہے جو اپنی قوم میں تبلیغ کرتا رہا، اور پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا" ناقد اس سے زیادہ تفصیل اور تیقن کے ساتھ لکھتا ہے:

"سورۂ یٰس کے رکوع دوم میں جو رسولوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک بستی میں بھیجے گئے، وہاں کے لوگوں نے جھٹلایا، اور دھمکی دی، یہ سنکر اس بستی کا ایک شخص جو درپردہ ایمان لایا تھا، دوڑا ہوا آیا اور اس نے نہایت جوش کے ساتھ اپنی قوم کو مخاطب کرکے ان رسولوں کی حمایت میں تقریر شروع کی مگر جب وہ اس جملے پر پہنچا کہ

انی آمنت بربکم فاسمعون ۔ تم سن رکھو کہ میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں،

تو اسکی قوم نے اس کو قتل کر دیا، (ص ۳۹)

خط زدہ عبارت جس میں یہ بیان ہے کہ "مگر جب وہ اس جملے پر پہنچا ... تو اسکی قوم نے اس کو قتل کر دیا" منکر حدیث ناقد کو کس ماخذ سے معلوم ہوئی؟ قرآن پاک میں تو اس کا کوئی بیان نہیں، اور ناقد روایات کا منکر ہے، ایسی حالت میں اس اضافہ کا علم ناقد کو کس وحی سے ہوا؟ اب یا تو وہ احادیث و روایات کو تسلیم کرے، اور یا اس قسم کے اضافوں سے پرہیز کرے، جنکا بیان قرآن میں نہیں،

ع منکر مے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن!

الغرض قرآن سے اس شخص کا شہید ہونا ثابت نہیں، اور قرآن کے باہر سے استدلال درست نہیں،

اب ذیل میں برزخ کے عذاب و ثواب کی چند آیتیں لکھی جاتی ہیں، قرآن میں موت کے وقت کا نقشہ بیان ہوا ہے

آیت	ترجمہ
۱- ولو تریٰ اذ الظلمون فی غمرات الموت	اور کاش تو دیکھے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوں اور
والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم	فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو
الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون	ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اسلئے کہ تم خدا پر ناحق
علی اللہ غیر الحق ... (انعام-۱۱)	بات کہتے تھے،
۲- ولو تریٰ اذ یتوفی الذین کفروا الملٰئکۃ	اور کاش تو دیکھے جب فرشتے کافروں کو وفات دیتے ہیں انکے
یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب	چہروں اور گدیوں پر مارتے ہیں، اور (کہتے ہیں) چکھو دوزخ
الحریق، (انفال-۷)	کا عذاب،
۳- فلولا اذا بلغت الحلقوم وانتم	تو کیا جب روح کھنچ کر گلے تک پہنچ جائے اور تم اس وقت
حینئذ تنظرون ونحن اقرب الیہ منکم	دیکھتے ہو اور ہم تمہاری بہ نسبت اس (جاں بلب) سے زیادہ
ولکن لا تبصرون فلولا ان کنتم غیر مدینین	قریب ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا، تو اگر تم کسی کے تابع نہیں
ترجعونھا ان کنتم صٰدقین فاما ان کان من	ہو تو روح کو کیوں نہیں واپس لاتے اگر تم سچے ہو، پس اگر وہ
المقربین فروح وریحان وجنت نعیم واما	(مرنے والا) مقربوں میں ہے تو اس کیلئے آرام اور روزی اور
ان کان من اصحاب الیمین فسلٰم لک من اصحاب الیمین	نعمتوں کی بہشت ہے، اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں ہے
واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم	تو داہنے ہاتھ والوں میں تجھ پر سلام اور اگر جھٹلانے والوں اور
وتصلیۃ جحیم ان ھذا لھو حق الیقین، (واقعہ ۳)	گمراہوں میں ہے تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں داخل ہونا ہے،

دو پہلی آیتوں سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت ہی سے عذاب کی دھمکی اور مناظر شروع ہو جاتے ہیں اور تیسری آیت میں پوری تفصیل ہے کہ موت کے وقت ہی سے عذاب و ثواب کے مشاہد و مناظر پیش ہونے لگتے ہیں،

۴- وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب، (مومن ۵)

اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا، آگ جسپر وہ صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں، اور جب قیامت کھڑی ہوگی حکم ہوگا کہ آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو،

اس سے صاف ثابت ہے کہ فرعونیوں کو قیامت سے پہلے ہی برزخ میں عذاب ہو رہا ہے، دوسری جگہ قوم نوح کے متعلق قرآن میں ہے، کہ طوفان میں ڈوبنے کے بعد فوراً ہی دوزخ میں چلی گئی،

۵- اُغرقوا فاُدخلوا نارًا، (نوح ۲) وہ ڈبو دیئے گئے، پھر فوراً ہی ایک آگ میں داخل کردیئے گئے،

ف تعقیب بلاتراخی کے لئے آتا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ طوفان میں غرق کرکے فوراً ہی کسی آگ میں داخل کردیئے گئے، حضرت لوط اور حضرت نوح کی بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے،

۶- وقیل ادخلا النار مع الداخلین، (تحریم ۲) اور کہا گیا داخل ہو تم دونوں آگ میں داخل ہونے والوں کیساتھ،

اب کیا یہ کہا جائیگا کہ یہ کافرہ عورتیں بھی شہید ہو کر "ایک دم برزخ کو پار کر گئیں" کہ جو الفاظ یہاں ہیں، وہی یٰس کے رکوع دوم میں ہیں، دونوں کے الفاظ یکساں ہیں،

قیل ادخل الجنۃ، (یٰس ۲) کہا گیا تو جنت میں داخل ہو،

نیکوکاروں کے متعلق خدا فرماتا ہے،

۷- الذین تتوفاھم الملئکۃ طیبین یقولون سلٰم علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون، (نحل ۴) وہ لوگ جنکو فرشتے وفات دیتے ہیں اور وہ (گناہوں سے) پاک تھے، انسے فرشتے کہتے ہیں تمپر سلامتی ہو، جنت میں جاؤ بوجہ اسکے جو تم کرتے تھے،

دیکھئے کہ پاک لوگوں کے روح قبض کرنے کے ساتھ، فرشتے ان کو سلام کرتے ہیں، خوشخبری سناتے ہیں، اور جنت میں جانے کو کہتے ہیں، اس میں شہید اور غیر شہید کی تفریق نہیں،

یہ چند سرسری باتیں حوالۂ قلم کی گئی ہیں، مفصل مباحث دوسرے اصحاب قلم کے مضامین میں آئیں گے،

———•———

سفرِ افغانستان

(۵)

جدید مدارس

اس عربی مدرسۂ دارالعلوم کے علاوہ یہاں جدید تعلیم کی بھی چند درسگاہیں ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں، مکتب حبیبیہ، مکتب نجات، مکتب استقلال، مکتب دار المعلمین، مکتب غازی، مکتب صنائع نفیسہ، مکتب زراعت، مکتب طبی، دار الحفاظ، یتیم خانۂ نادری، مکتب دواسازی، مکتب حربیہ، مکتب قبائل، یہ تو بڑے مدرسے ہیں، ان کے علاوہ شہر میں تین ابتدائی مدرسے بھی ہیں،

افغانستان میں مکتب کا لفظ ہائی اسکول اور کالج کے لئے بولا جاتا ہے، ہمارے ہندوستانی ناظرین، ان مکتبوں سے اپنے ہاں کے بچوں کے مکتب نہ سمجھیں،

ان مکاتب میں سب سے پرانا مکتب حبیبیہ ہے جو امیر حبیب اللہ خاں کی یادگار ہے، انھیں کے زمانہ میں بنا تھا، یہاں پہلے بھی اور اب بھی زیادہ تر ہندوستانی مسلمان معلم و مدرس ہیں، انگریزی تعلیم ہوتی ہے، مکتب حربیہ یعنی فوجی کالج بھی یہاں پہلے سے ہے، امیر امان اللہ خاں نے اپنے زمانہ میں ایک فرانسیسی اور دوسرا جرمن زبان کے لئے دو اسکول قائم کئے تھے، جنمیں سے ایک کا نام امانیہ اور دوسرے کا امانی رکھا تھا، مگر اب جرمن کالج کا نام مکتب نجات اور فرانسیسی کالج کا نام مکتبِ استقلال ہے، مکتب دار المعلمین میں استاد تیار ہوتے ہیں، مکتب صنائع نفیسہ کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، مکتب زراعت کاشتکاری و باغبانی کی تعلیم کے لئے ہے، کابل و پغمان کے بیچ میں اسکی عمارت ہے، مکتب طبی شاہ نادر خاں کے عہد کی یادگار ہے، یہ دار الامان میں واقع ہے، اور جس دار الفنون کابل یعنی کابل یونیورسٹی کا تخیل شاہ مرحوم کو تھا، اس کی بنیاد اولیں کے طور پر پہلے اسی طبی کالج کا شعبہ قائم کیا گیا ہے، اور یہ کھل گیا ہے، اور اسکا کام عمدگی سے

جاری ہے، اسی کیساتھ دواسازی کا بھی ایک مدرسہ کھول دیا گیا ہے، تاکہ دوائیں خود افغانستان میں تیار ہوسکیں،

دار الحفاظ میں صرف حفظ قرآن کے لئے لڑکے جاتے ہیں، اور حافظ ہوتے ہیں، یتیم خانہ خاص نادر خاں مرحوم کا قائم کیا ہوا ہے، اس میں شہر کے یتیم بچے رہتے اور پڑھتے ہیں، اور مکتب صنائع میں صنعت وحرفت سیکھتے ہیں، مکتب حربیہ میں فوجی تعلیم ہوتی ہے، بہت بڑے پیمانہ پر قائم ہے، ترک، ایطالوی، جاپانی اور جرمن استاد ہیں، نادر خاں نے اپنے زمانہ میں مکتب قبائل کے نام سے ایک اور جنگی اسکول قائم کیا تھا، اس میں سرحد کے بڑے بڑے سرداران قبائل کے بچوں کو مفت فوجی تعلیم دیجاتی ہے، سرور خاں گویا نے مجھے بتایا کہ اس میں اسوقت تین سو بچے زیر تعلیم ہیں،

مکتب نجات اور مکتب استقلال جن کے پہلے نام امانیہ و امانی ہیں، جرمن اور فرنچ تعلیم کے لیے مخصوص ہیں، استقلال سے مقصود آخر جنگ انگریز و افغان کے بعد امان اللہ خان کے زمانہ میں افغانستان کی خود مختاری ہے، اور نجات سے مراد بچہ سقہ کے فتنہ کا فرو ہونا ہے، ان دونوں مدرسوں کے یہ جدید نام افغانستان کے دو گذشتہ اہم واقعات کی یادگار ہیں،

ملک افغانستان میں اب تک کوئی متحدہ نظام تعلیم جاری نہیں، حبیبیہ، نجات اور استقلال تین طرزوں کی تین مستقل درسگاہیں ہیں، جنمیں اول میں انگریزی، دوم میں جرمنی، اور سوم میں فرنچ ذریعۂ تعلیم ہے، اور یہ قرار دیا گیا ہے کہ انگلستان فرنچ اور جرمنی ان تین ملکوں میں سے جس ملک میں جن فنون کی تعلیم بہتر ہوتی ہے، ان کے لئے یہاں انگریزی یا فرنچ یا جرمن کی تعلیم افغان بچوں کو دلاکر، بعد کو ان فنون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ان کو انگلستان، فرانس اور جرمنی بھیجا جائے، گویا یہاں ان تینوں ملکوں کی ابتدائی تعلیم کے مدرسے ہیں، اور اُن کی تکمیل کی اصلی درسگاہیں انگلستان یا فرانس یا جرمنی میں ہیں،

اس نظام تعلیم نے ملک میں بیحد ابتری پیدا کردی ہے، ایک ایک افغان بچہ کی تعلیم اور یورپ کی آمد و رفت اور قیام اور تعلیم پر جو صرف آتا ہے اس سے افغانستان میں ایک چھوٹا موٹا مدرسہ چل سکتا ہے، علاوہ ازیں ملک کے اندر تین مستقل غیر ملکی زبانیں، غیر ملکی معاشرتیں، غیر ملکی سیاستیں اور غیر ملکی ذہنیتیں جڑ پکڑ رہی ہیں، اور جن کا نقصان افغانستان کو آج نہیں تو کل اسی طرح معلوم ہوگا جس طرح ٹرکی کو گذشتہ جنگ عظیم میں معلوم ہوگیا، یہی وہ خیالات ہیں جنکی بنا پر شاہ نادر خاں مرحوم کو خود کابل میں ایک افغان یونیورسٹی (دار الفنون کابل) کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی

مدارس کے بعد موجودہ تمدن کا دوسرا ستون مطبع ہے،

سرکاری مطبع عمومی

دار العلوم سے نکل کر یہاں کے سرکاری مطبع عمومی کو دیکھنے گیا، اگرچہ کابل میں مطبعوں کا رواج امیر شیر علی خاں کے زمانہ سے شروع ہوگیا تھا، مگر اخباری وصحافتی حیثیت سے کابل میں اس صیغہ کی تکمیل امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ میں ہوئی، اور سراج الاخبار کے لئے ایک اچھے مطبع کی ضرورت پیش آئی، اور لیتھو کی جگہ ٹائپ کو دینی پڑی، امیر امان اللہ خاں کے عہد میں مزید ترقی کے مواقع ملے، اور مطبع عمومی کے نام سے ایک وسیع سرکاری مطبع وجود میں آیا، اور عجیب بات یہ ہے کہ اس پروپگنڈے کے عہد میں افغانستان کے ہر گذشتہ انقلاب میں سلطنت کے دیگر کارخانوں میں جو ابتری ہوئی ہو، مگر اس کارخانۂ اشاعت کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوا، امان اللہ خاں کے زمانہ میں یہاں سے امان افغان نکلتا تھا، بچہ سقا کے فتنہ میں یہاں سے حبیب الاخبار نکلا، اور شاہ نادر خاں کے عہد میں اصلاح نکلنے لگا، اور جو اب تک اسی نام سے نکل رہا ہے،

مطبع عمومی ارک شاہی کے قریب بلکہ متصل واقع ہے، سڑک کے رخ دو عمارتیں ہیں، اور ان دونوں کے بیچ میں ایک چوڑی سی گلی ہے، موٹر سے سڑک پر اتر کر پہلے ایک عمارت میں داخل ہوا، یہ ایک وسیع ہال تھا جس میں ٹریڈل (پاؤں سے چلائے جانے والے ٹائپ کے پریس) اور دوسری بڑی بڑی مشینیں کام میں مصروف تھیں بجلی کی طاقت سے کام ہو رہا تھا، میرا اندازہ ہے کہ آٹھ دس مشینیں کام کر رہی تھیں، یہ تمام مشینیں نہایت عمدہ، نہایت صاف اور بالکل جدید طرز کی تھیں، سرکاری اسٹامپ، رجسٹروں کے کاغذ، ڈاک کے ٹکٹ اور دوسرے سرکاری کاموں کے علاوہ، سرکاری کتابیں، انجمن ادبی کے تصنیفات ورسائل، اور روزانہ اخبار اصلاح وغیرہ سب اسی مطبع میں چھپتے ہیں،

اس وقت پریس میں جو کام ہو رہا تھا وہ یہ تھا، ایک پریس پر رجسٹر کے اوراق، دوسرے پر رسالۂ کابل، اور تیسرے پر قرآن پاک چھپ رہا تھا، یہ قرآن پاک حکومت افغانستان کی طرف سے وہاں کی مجلس علماء کے زیر نگرانی نہایت اہتمام سے چھپ رہا ہے، اس وقت تک اس کے دو پارے چھپے تھے،

یہاں سے نکل کر مطبع کی دوسری عمارت میں گیا، یہ مطبع کی صناعت نفیسہ کا شعبہ تھا، یہاں زنکوگرافی اور فوٹوگرافی

اور فائن آرٹ کی اعلیٰ ترین اور نفیس ترین چھپائی کا کام ہو رہا تھا، یہیں ایک کرہ سیاہ پردوں کے غلاف میں فوٹو لینے کے لئے تیار کیا گیا تھا، پھر اس کا بلاک بنانے اور اس کے چھاپنے کے آلات اور پریس تھے،

یہاں کا عملہ زیادہ تر خود افغان کارکنوں پر مشتمل تھا، افسر اعلیٰ صوفی عبد الحمید خاں ہیں، جو باوجود نحیف و لاغر جسم ہونے کے اپنے فن میں کامل ہیں، طباعت نفیسہ کے شعبہ میں ایک دو جرمن کام کرنے والے بھی نظر آئے، زنکوگرافی کے استاد ایک ترک تھے،

اس پریس میں مجھے تین خصوصیتیں نظر آئیں،

۱- سامان سب اعلیٰ اور عمدہ اور جدید تھا،

۲- کام کا نمونہ نہایت صاف ستھرا تھا،

۳- پریس اور پریس کے تمام کام کرنے والے بلکہ پریس کی تمام زمین و آسمان سب میں حد درجہ صفائی اور ستھرائی تھی، کہیں داغ دھبہ، یا زمین پر کوڑا کرکٹ، بلکہ ردی کاغذ تک پڑا نظر نہیں آتا تھا،

صوفی صاحب نے فرمایا کہ مطبع کے لئے اعلیٰ حضرت نادر شاہ نے بہت سی نئی مشینیں جرمنی سے منگوائی ہیں جو عنقریب آنے والی ہیں، اُن کے آجانے کے بعد یہ مطبع قریباً دونا ہو جائیگا،

اخبارات اور رسائل اس مطبع عمومی کی مناسبت سے یہاں کے اخبارات اور رسائل کا تذکرہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، افغانستان میں سب سے پہلا اخبار امیر شیر علی خان کے عہد میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں شمس النہار کے نام سے ہفتہ وار نکلا تھا، پھر سراج الملۃ والدین امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ میں سراج الاخبار نکلا، لیکن درحقیقت امیر امان اللہ خاں کے زمانہ میں لوگوں کو اخبارات کی طرف توجہ زیادہ ہوئی، امان افغان کے نام سے سرکاری اخبار کابل سے نکلنے لگا، اور اسی زمانہ میں جنرل نادر خان نے جلال آباد سے سنہ ۱۳۳۸ھ میں اتحاد مشرقی کے نام سے دوسرا اخبار نکلوایا،

بہرحال اس وقت یہاں سے جو اخبارات اور رسائل نکل رہے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے،

۱- **اصلاح کابل** شاہ نادر خان بچۂ سقا کے فتنہ کے خلاف جب مصروف جہاد تھے، تو اس نام سے یہ موقت اخبار

نے معسکر (کیمپ) سے نکلوایا، کامیابی کے بعد اس کو مستقل طور سے سرکاری اخبار کی حیثیت سے جاری کر دیا، یہ اخبار چار بڑے صفحوں میں نسخ ٹائپ میں چھپتا ہے، زبان فارسی ہے، اس میں زیادہ تر اخلاقی، ادبی، تجارتی، مذہبی، قومی اور سیاسی مقالات شائع ہوتے ہیں، پھر تمام دنیا کی خبریں اس میں درج ہوتی ہیں، پھر مقامی خبریں اور حکومت کے اعلانات اور گزٹ ہوتے ہیں، مدیر کا نام برہان الدین کشکگی ہے، ملک کے اندر ۳۰ افغانی اور باہر نصف پونڈ قیمت ہے،

۲- **انیس**، کابل، یہ اخبار آج سے چھ برس پہلے سنہ ۱۳۰۶ شمسی میں غیر سرکاری یعنی قومی حیثیت سے نکلا تھا، اور آج تک نکلتا ہے، اور اس کی حیثیت اب بھی سرکاری کے بجائے قومی ہے، اس کے موجودہ اڈیٹر کا نام محمد امین خان فرگیانی ہے، ہفتہ میں ایک دفعہ شائع ہوتا ہے،

۳- **اتفاق اسلام**، ہرات، یہ اخبار سنہ ۱۲۹۹ شمسی میں نکلا تھا، اور اب تک کہ سنہ ۱۳۱۲ شمسی ہے یہ نکل رہا ہے، ہندوستان کے موجودہ افغان جنرل کونسل صلاح الدین خاں سلجوقی بھی اس کے اڈیٹر رہ چکے ہیں، موجودہ اڈیٹر میر محمد عثمان الحسینی ہیں،

۴- **بیدار**- مزار شریف، یہ سنہ ۱۳۰۰ شمسی سے نکلتا ہے، قدیم خراسان کا نام آج مزار شریف ہے، کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہونا مشہور ہے، اور اس لئے اس کا نام مزار شریف مشہور ہو گیا ہے، یہ روسی ترکستان سے ملحق ہے اس کے موجودہ اڈیٹر کا نام مجاہد ہے،

۵- **طلوع افغان** - قندھار، یہ اخبار بھی سنہ ۱۳۰۰ شمسی سے نکل رہا ہے، پہلے اس کی بھی زبان فارسی تھی، مگر اب پشتو ہے، اور اس کے موجودہ اڈیٹر عبد الحی خان ہیں، قندھار آجکل پشتو تحریک کا مرکز ہے،

۶- **اتحاد**، خان آباد قطغن، اس کی اشاعت بھی سنہ ۱۳۰۰ شمسی سے ہے، اور اب تک نکل رہا ہے، اس کے موجودہ اعزازی اڈیٹر غلام جیلانی خاں جلالی ہیں،

ان اخبارات کے علاوہ چند رسالے بھی خاص شہر کابل سے نکل رہے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱- **مجلۂ کابل**، یہ انجمن ادبی کا رسالہ ہے، اور علمی و ادبی و تاریخی مضامین پر مشتمل ہر مہینہ شائع ہوتا ہے، اس میں افغانستان کے تمام بڑے بڑے ادبا اور شعراء کے مضامین اور اشعار چھپتے ہیں، غیر زبانوں کے محققانہ مضامین بھی ترجمہ

ہو کر اس کے اوراق میں جگہ پاتے ہیں، اعلیٰ درجہ کی تصاویر اور بلاک کے نقشے بھی اس میں ہوتے ہیں، یہ تین سال سے نکل رہا ہے، نصف پونڈ قیمت ہے،

۲- **آئینۂ عرفان** ۔ یہ رسالہ گو امیر امان اللہ خاں کے زمانہ میں سنہ ۱۳۰۳ شمسی میں نکلا تھا، مگر بند ہو گیا تھا، اور نادر کے زمانہ میں یہ دوبارہ نکلا اور اب تک نکل رہا ہے، یہ افغانستان کی وزارت تعلیم کا رسالہ ہے، اس میں مدارس و مکاتب کے مدرسین و معلمین اپنے مضامین و تراجم شائع کراتے ہیں، اور مدرسوں کی رودادیں وغیرہ چھپتی ہیں، اڈیٹر کا نام ہاشم خاں شائق ہے، کابل میں ۹ افغانی صوبوں میں ۱۰ افغانی اور ہندوستان میں ساڑھے چار روپیہ قیمت ہے،

۳- **مجلۂ اقتصاد**، اس رسالہ میں تجارتی، زراعتی، مالیاتی، صنعتی الغرض معاشی مضامین شائع ہوتے ہیں، یہ بھی نادر خاں کے عہد حکومت کی یادگار ہے، تین سال سے جاری ہے، مہینہ میں دو دفعہ شائع ہوتا ہے، محمد زماں تروکی اس کے اڈیٹر کا نام ہے، اس کی قیمت افغانستان میں ۶ افغانی، ولایات میں ۷ افغانی، اور باہر ۸ شلنگ ہے، اس رسالہ کو یہاں کی وزارت تجارت کا نمائندہ سمجھئے،

۴- **مجموعۂ اردوی افغان**، یہ افغانستان کا فوجی رسالہ ہے، امیر امان اللہ خاں کے زمانہ میں نکل کر بند ہو گیا تھا، نادر خاں کے زمانہ میں دوبارہ نکلا، افغانستان کی نظامی یعنی باقاعدہ فوج کے چند نوجوان فوجی افسر اس میں مضامین لکھتے ہیں، اڈیٹر کا نام سید اکبر خان ہے،

۵- **مجموعۂ صحیہ**، یہ افغانستان کے محکمۂ حفظان صحت کی طرف سے نکلتا ہے، یہ پہلے امیر امان اللہ خان کے زمانہ میں سنہ ۱۳۰۶ شمسی میں نکل کر بند ہو گیا تھا، دوبارہ نادر خان کے زمانہ میں سنہ ۱۹۱۱ء میں نکلا، اور اب تک نکل رہا ہے، رشید لطفی اس کے اڈیٹر کا نام ہے، اس کی قیمت کابل میں ۶ افغانی، ولایات میں ۸ افغانی اور بیرون ملک میں چار شلنگ ہے،

۶- **حی علی الفلاح**، یہ افغانستان کے محکمۂ دینیات یا مجلس علمار کا نمایندہ ماہوار رسالہ ہے، اس میں مذہبی و اخلاقی مضامین نکلتے ہیں، اڈیٹر کا نام میر غلام خان ہے،

ان تمام رسالوں کی زبان فارسی ہے، اور سب مطبع عمومی میں ٹائپ میں چھپتے ہیں،

کابل سے باہر دو اور رسالے نکلتے ہیں، ہرات اور پشتو، ہرات فارسی زبان میں شہر ہرات سے نکلتا ہے، اور پشتو قندھار سے، یہ قندھار کی انجمن ادبی کا نمایندہ ہے،

سپہ سالار شاہ محمود خان کی رخصتانہ ملاقات، مطبع سے دار الامان واپس آیا، تھوڑی دیر کے بعد سپہ سالار سردار شاہ محمود خاں وزیر حربیہ ملنے آئے، سر راس مسعود صاحب کے کمرہ میں سب لوگ بیٹھے، ادبیات پر گفتگو ہوتی رہی، سردار شاہ محمود خان سے کتاب خیام کا تذکرہ آچکا تھا، اور یہ بھی مذکور ہوا تھا کہ اس کا ایک نسخہ میرے ساتھ آیا ہے، اس وقت سردار موصوف نے اس کا اشتیاق ظاہر کیا، اتفاق سے وہ نسخہ سید راس مسعود صاحب کے مطالعہ میں تھا، انھوں نے اس کی بہت تعریف کی، اور نسخۂ مذکور کی لوح پر یہ لکھکر کہ "میں اس کتاب کو مولوی سید سلیمان صاحب ندوی سے جراکر سردار شاہ محمود خان کے نذر کرتا ہوں" ان کے حوالہ کیا، میں نے اس کے نیچے یہ الفاظ لکھدیئے، کہ میں اپنی محبت و عقیدت کی یادگار کے طور پر یہ ہدیہ پیش خدمت کرتا ہوں"، سردار موصوف نے بڑے شوق سے یہ کتاب لی، تھوڑی دیر کے بعد وہ ہم لوگوں سے ایک ایک کرکے بغلگیر ہوئے، اور آخری ملاقات کی رسم ادا کرکے رخصت ہوئے، حق یہ ہے کہ موصوف میں بڑی ہر دلعزیزی کی شان ہے، اردو بہت اچھی بولتے ہیں، کہ وہ ہندوستان کے ایک لائق استاد مولوی نجف علیخاں صاحب، برادر ڈاکٹر عبد الغنی صاحب (پنجاب) کے شاگرد ہیں،

پغمان گذر چکا ہے کہ سردار احمد خاں وزیر دربار کی دعوت پر شام کو ۳ بجے پغمان جانا طے پایا تھا، ڈاکٹر سر اقبال کو علیحضرت سے رخصتانہ ملاقات کرنی تھی، اس لئے وہ ہمارے ساتھ نہ جا سکے، وہ شام کو وزیر خارجیہ سردار فیض محمد خاں کیساتھ دلکشا گئے، اور باقی لوگ یعنی، سید راس مسعود، پروفیسر ہادی، بیرسٹر غلام رسول اور سرور خاں گویا، دو موٹروں پر پغمان روانہ ہوئے، یہاں پغمان کی وہ حیثیت ہے جو شملہ اور نینی تال کی ہے، یا بمبئی میں پونہ کی ہے، یہ افغانستان کا شاہی اور عمومی تفرجگاہ اور سیر گاہ ہے، یہ کابل سے ۱۰ میل دور، اور ایک ہزار فٹ اونچا ہے، مگر یہ اونچائی ایسی بتدریج اور رفتہ رفتہ آتی ہے کہ چلنے والے کو اونچائی کا احساس نہیں ہوتا، پھر لطف یہ ہے کہ یہ پہاڑوں کی سی بلندی نہیں بلکہ خود زمین مرتفع ہوتی چلی گئی ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ کابل کا بہترین مقام سمجھا جاتا ہے، اور غالباً اسی سبب سے

کابل اور پغمان کے بیچ میں نادر خاں مرحوم نے خاص اپنی جاگیر کی زمین وقف کرکے وہاں سینی ٹریم، تربیت خانۂ حیوانات اور مدرسۂ زراعت قائم کیا ہے،

کابل سے پغمان کی طرف آدھی دور تک تنی سڑک ایسی عمدہ ہے، جیسی ہندوستان کے بڑے شہروں میں سول لائنس کی ٹھنڈی سڑکیں ہوتی ہیں، اور دوسری آدھی سڑک بھی خاصی ہے، تاہم اصلاح طلب ہے، کابل کے حدود سے نکلتے ہی عجیب کیف انگیز مناظر گذرنے لگے، سڑک کے دونوں طرف چنار کے زرد درخت، اور کہیں آلو بالو کے سرخ پھولوں کے درخت، کہیں اخروٹ کے درخت، جابجا چشمے اور آبجو، جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، فضا میں زرد اور سرخ پھولوں اور پتوں کی چادریں پھیلی نظر آتی تھیں، یہ یہاں خزاں کا مہینہ تھا جس کی یہ خزاں ہے اس کی بہار کیسی ہوگی،

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

راستہ میں سینی ٹوریم، تربیت خانۂ حیوانات اور مدرسۂ زراعت کی عمارتیں گذریں، واپسی میں ان کے دیکھنے کا خیال تھا، اس لئے آگے بڑھ گئے، پغمان جیسے جیسے قریب آتا جاتا تھا، فضا کی رنگینی، ہوا کی برودت اور درختوں کی بہار بڑھتی جاتی تھی، سب سے پہلے پغمان کا صدر دروازہ یا پھاٹک ملا، جو بجائے خود ایک چھوٹی سی عمارت تھی اس کے بعد شاہی قیامگاہ کی عمارت آئی، پھر باغ عمومی (پبلک گارڈن) آیا جو پبلک کی سیر و تفریح کا مقام ہے، بالآخر پغمان کی سب سے مرتفع سطح پر ہم پہنچ گئے، جو اس بہشت زار کی فردوس بریں ہے، یہاں دو منزلہ مختصر لیکن بلند عمارت ہے،

سردار احمد خان وزیر دربار یہیں مقیم تھے، وہ نیچے اتر کر آئے، اور مہمانوں کو اوپر کی منزل پر لے گئے، اور ایک ایسے کمرہ میں بٹھایا جس میں ہر طرف شیشے لگے تھے، اور اس لحاظ سے اس کو شیش محل کہنا چاہئے، اس وقت موسم سرد تھا اور ابر بھی تھا، اس لئے شیشے کے یہ سب دروازے بند تھے، مگر یہاں بیٹھنے والوں کی مشتاق نگاہیں، شیشوں کو پار کرکے جہاں تک پہنچ سکتی تھیں، فضا کی بلندی میں سیدھے اور راست قامت درختوں کے جھنڈ اور زرد اور سرخ پھولوں کے درختوں کی قطاریں، اور زمین کی سطح پر رنگ برنگ پھولوں کی خوش آیند مرتب ہندسی شکلیں آنکھوں کو پر نور اور دلوں کو مسرور کر رہی تھیں، پروفیسر ہادی نے ایران کی سیاحت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ یہ بالکل ایران

کا منظر ہے، جنھوں نے کشمیر دیکھا تھا، وہ کہتے تھے کہ خاص یہ مقام کشمیر سے زیادہ دلپذیر ہے،

اسی شیش محل کمرہ میں خوش سلیقہ میزبان نے چائے کی دعوت کا سامان کیا تھا میز پر مختلف قسم کے بسکٹوں اور مٹھائیوں کے علاوہ کابل کے اچھے سے اچھے میوے تھے، مختلف رنگ کے انگوروں اور میووں کو خوبصورت ظروف میں مناسب رنگ کے پتوں اور پھولوں سے اس طرح مزین کرکے رکھا گیا تھا، کہ میز لذت کام و دہن ہونے کے علاوہ فردوسِ نظر بھی معلوم ہوتی تھی،

لوگوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق چائے اور کافی پی، سید راس مسعود صاحب نے کشمیری چائے کی فرمایش کی تھی، وہ بھی بنکر آئی، گو رنگ تو کشمیری چائے کا ضرور تھا، مگر مزہ ہمارے ہندوستان کے کشمیری بھائیوں کی چائے سے کم تھا، افغانستان میں چائے کی پیالی کئی پیالیاں پی جاتی ہیں، مگر صرف پہلی پیالی میٹھی ہوتی ہے، باقی تلخ، مگر یہ خوش ذائقہ تو یہ "صوفی" کو "ام الخبائث" ہی معلوم ہوئی،

میز پر زیادہ تر یورپ کے مختلف شہروں کے مناظر پر گفتگو ہوتی رہی سردار احمد خاں مدت تک یورپ رہے تھے اور اکثر شہروں میں کئی کئی مہینے جا کر ٹھہرے تھے، سید راس مسعود اور سردار موصوف انھیں شہروں اور وہاں کے مختلف ہوٹلوں پر اظہار رائے فرماتے رہے،

چائے سے فارغ ہو کر سب لوگ نیچے اترے، کابل سے ایک فوٹو گرافر بلوایا گیا تھا، وہ نیچے موجود تھا، وزیر ممدوح نے پہلے سب کا ایک گروپ باغ کی ایک اونچی سیڑھی پر لیا، اسی کے سامنے انسانی ہاتھوں کی کاریگری سے چند اونچے نیچے پتھروں سے قدرتی چٹانوں کی نقل بنی ہوئی تھی، حاضرین میں سے ہر ایک الگ الگ ان پتھروں پر بے ترتیب بیٹھ گیا، اور اس بے تکلف فطری نشست کی پھر مصنوعی نقل اتاری گئی، اس شاہی باغ سے نکل کر اب ہم لوگ باغ عمومی کی طرف چلے، پیدل چلنے میں محسوس ہو رہا تھا کہ اب بلندی سے ہم نشیب میں اتر رہے ہیں، تھوڑی دیر چلکر وہ باغ آگیا، اس باغ کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، اللہ اکبر کیا باغ تھا، گذشتہ زمانہ کی تو خبر نہیں، لیکن آج بے تکلف کہا جا سکتا ہے، کہ اس سلیقہ کا باغ تیموریوں نے شاید ہندوستان میں بھی نہیں لگایا ہوگا، درختوں کو چھوڑ کے یہ پر لطف مناظر کشمیر کے سوا ہندوستان میں

وہ کہاں سے لا سکتے تھے، یہ خزاں کا موسم تھا، سرخی کے بجائے پتوں میں زردی چھائی تھی، سرو وچنار کے درخت اور قسم قسم کے پھولوں کی بہار اور اُن کی ترکیب و ترتیب کس کس چیز کا ذکر کیا جائے، پہاڑیوں پر سے ہر طرف قدرتی چشمے بہہ رہے تھے، باغ کے بیچ میں ایک قطار میں پانچ فوارے چھوٹ رہے تھے، جنکا پانی بلا مبالغہ پچاس ساٹھ فیٹ اوپر چھوٹ رہا تھا، اور وہاں سے ہلکی ہلکی پھواریں بن کر فرشِ زمین پر گر رہا تھا،

یہاں بھی ان پانچوں فواروں کی طرف پشت کر کے (بیک گرونڈ) ایک مرقع لیا گیا،

دریاے کابل

یہاں سے نکل کر دریاے کابل کیطرف چلے، باغ کے بعد سڑک تھی اور سڑک کے بعد کچھ ہٹ کر کابل کا زمین دریا بہ رہا تھا، دریاے کابل کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، ہم ہندوستانیوں کو جو گنگا اور جمنا کے دیکھنے کے عادی ہیں، اسکو دریا کہنے اور ماننے میں بہت کچھ تامل ہوگا، یہ دریا جہاں جہاں سے ہم کو نظر آیا، اس کا عرض کہیں دو تین گز سے زیادہ نہیں دیکھا، با ایں ہمہ اس کے طول کا یہ عالم ہے، کہ یہ کابل سے چلکر ہندوستان کے دریاے سندھ میں آکر گرتا ہے، جاڑوں میں اس میں برف جمتی ہے، اور پھر پورے سال بھر اس کی روانی قائم رہتی ہے، سنا ہے کہ جاڑوں کے زمانہ میں افغان آتے ہیں، اور لات مار کر برف کو توڑ ڈالتے ہیں، اور نیچے کے ٹھنڈے پانی سے، نہ صرف وضو بلکہ غسل بھی کرتے ہیں، ہندوستان کے لوگوں کو تو اس تصور سے بھی سردی معلوم ہونے لگیگی، دریا کے نیچے اور دائیں بائیں، ہر طرف پتھر کی سلیں پڑی ہیں انھیں پر سے "پھسلتا ہوا اور اٹکتا ہوا" یہ بہتا رہتا ہے، اس دریا پر آنے کی غرض بھی فوٹو لینا تھی، مگر دریا کے نیچے ہونے کی وجہ سے دریا کی روانی کے ساتھ مرقع نہیں کھینچ سکا، بالآخر دریا کو پیچھے کر کے سڑک پر کھڑے ہو کر چوتھا گروپ لیا گیا،

اس کے بعد ہم لوگ موٹروں پر بیٹھکر کابل کی طرف روانہ ہوئے، خیال تھا کہ راستہ میں سینی ٹیریم وغیرہ دیکھینگے مگر واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ ان عمارات کو دور سے دیکھنے کے سوا اتر کر دیکھنے کا موقع نہیں ملا، مگر بیرسٹر غلام رسول خاں ان کو دیکھ چکے تھے، ان سے سنکر اور دوسرے احباب کابل سے جو کچھ معلوم ہوا وہ سپرد قلم کیا جاتا ہے،

دارالصحت یا سینی ٹیریم

اخیر جنگ انگریز و افغان کے کامیاب نتیجہ کے بعد امیر امان اللہ خاں نے جنرل نادر خاں سپہ سالار کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کابل و پغمان کے بیچ میں ایک زمین جاگیر میں دی تھی جسکا نام علی آباد ہے، نادر خاں نے اپنے زمانہ میں اس زمین کو باتفاقِ اطبا دار الصحت (سینی ٹیریم) کے لئے موزوں سمجھکر اس میں دق و سل کے مریضوں کے لئے اقامت گاہ بنوایا، اس دار الصحت کی عمارت اور دیگر مصارف کے لئے بھی شاہ نادر خاں نے اپنی جیب سے روپیہ دیا، عمارت سہ منزلہ ہے، ساٹھ مریضوں کے رہنے کے لئے اس میں کمرے، بستر اور راحت کے دوسرے سامان ہیں سامنے عمدہ باغ، خوبصورت روشیں، چمن زار، اور سڑکیں ہیں،

تربیت خانۂ حیوانات

اسی کے قریب اسی راہ پر حیوانات کی پرورش اور اُن کی عمدہ نسل لینے کا محکمہ ہے، جسکا نام "دائرہ تربیت حیوانات و نسل گیری" ہے، اس دائرہ کے افسرِ اعلیٰ کا نام محمد یوسف خاں ہے، ہمارے رفیق غلام رسول خاں جنھوں نے اس کو دیکھا تھا اسکی بڑی تعریف مجھ سے کی، یہاں جانوروں کی علمی اور سائنٹفک طریق سے بہترین پرورش اور علاج کا سامان ہے، اور عمدہ نروں کے ذریعہ سے اچھی اور قوی بچوں کی نسل لینے کا پورا اہتمام ہے،

بعض احباب کی ملاقات

پغمان سے سیدھے دار الامان کو واپسی ہوئی، بعض احباب ملاقات کو آئے، مولوی بشیر صاحب قندہاری جمعیت مجاہدین چمرقند، مولنا محمد میاں صاحب (المعروف بہ منصور) یہ مولنا عبد اللہ صاحب انصاری مرحوم سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی کے خلف الرشید، اور مولنا محمد قاسم صاحب بانی مدرسۂ دیوبند کے نواسہ ہیں، اور ایک افغان عالم تھے جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، ان صاحب نے مولنا حسین احمد صاحب اور مولنا کفایت اللہ صاحب تک سلام پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی، جس سے بحمد اللہ کہ میں عہدہ برآ ہو گیا، اُن کے ساتھ اخبار انیس کابل کے اڈیٹر محمد امین خاں خوگیانی بھی تھے، تھوڑی دیر کے بعد منشی میر شمس الدین مرحوم سابق ناظم حمایت اسلام لاہور (جو افسوس کہ اس مہینہ وفات پاگئے) کے صاحبزادہ میر رحمت اللہ ہمایوں اور مقبول الحق یہاں کے سرکاری کارخانہ گوگرد (دیا سلائی) کے مہتمم آئے،

کل صبح کابل سے غزنین کو روانگی ہے، اس لئے احباب رخصت کرنے کے لئے آرہے ہیں،

احباب کے رخصت ہونے کے بعد میں نے اور میرے ملازم نے مل کر کل صبح کی روانگی کے لئے سامانِ سفر درست کیا، اور اس سے فارغ ہو کر، نماز کے بعد کابل کی آخری شب بسر کرنے کے لئے بستر پر دراز ہو گیا،

(باقی)

اصول تاریخ بینی،

(نطق نواب ڈاکٹر سر احمد حسین المخاطب بہ امین جنگ بہادر)

مترجمہ

مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی،

ذیل کا خطبہ انگریزی زبان میں حیدرآباد دکن کی ایک علمی مجلس میں پڑھا گیا تھا،

میرے کرم دوست مولوی نیر صاحب، جن کی حیدرآباد میں بے غرض خدمات سے ہم سب واقف اور ثنا خواں ہیں، ان کی فرمائش تھی کہ میں اس جلسہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں، جلسے کی یہ نئی عمارت خان بہادر علاء الدین صاحب کے جذبۂ رفاہی کی منت پذیر ہے، اور اس میں یہ سب سے پہلا عام جلسہ ہے، اگر نیر صاحب کی فرمائش قبول کرتے وقت میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں نے رواروی میں ایسا موضوع انتخاب کر لیا جو مشرق و مغرب دونوں جگہ کے اہل علم میں محل اختلاف و نزاع رہا ہے، اول تو "تاریخ" کی کوئی ایسی تعریف نہیں کیگئی جسے ہر شخص بلا تامل تسلیم کرے، دوسرے تاریخ کے مقاصد و فوائد کے متعلق بہت کچھ اختلاف آرا پایا جاتا ہے، تیسرے ملت اسلامی کی من حیث الکل کوئی ایسی تاریخ ابھی تک تحقیقات جدیدہ کے اصول پر فراہم اور اس قوت و صفائی کے ساتھ قلمبند نہیں کیگئی جیسی کہ مثلاً گرین کی "مختصر تاریخ اقوام انگلستان" ہے، سب سے پہلے اس قسم کی قابل ذکر کوشش سید امیر علی مرحوم نے کی، "اے ہسٹری اوف سارا سینز" لکھی، لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، یہ نقش اول پوری تصویر کو بسیط پیمانے کے ہو بہو دکھانے میں کامیاب نہ ہوا، دراصل ہمیں ایک مسلمان جی ایچ ویلز کی ضرورت ہے، کہ آفرینش عالم سے لیکر مجلس اقوام حاضرہ کے بننے تک ملل اسلامی کا مرقع تیار کر دے، اگر کوئی اعتراض کرے کہ ساتویں صدی عیسوی سے قبل اسلام کہاں تھا، تو مسلمان ویلز کا جواب یہ ہوگا کہ دنیا میں "اسلام" یعنی امن و آشتی کے مذہب کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہ تھا، اور نہ آیندہ کبھی ہوگا،

بہر حال میں تاریخ کی جملہ مستند تعریفات سے قطع نظر کرکے اپنا بیان اس طرح جاری رکھتا ہوں کہ گویا اس کے مقا[صد] و فوائد کے متعلق کوئی مناقشہ نہیں، کیونکہ میرا منشا یہ ہے کہ تاریخ اور اس کے مطالعے کے طریق کی نسبت جو کچھ میری رائے ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے، اس بیان میں میں نے متعلقہ اسلامی تاریخ کی مثالیں نقل کی ہیں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ میرے اکثر سامعین کے پسند خاطر ہونگی،

میں "عملیت" کا قائل ہوں، ایسی چیزیں یا خیالات جو کام میں نہ آئیں، مجھے اُن سے دلچسپی نہیں، میرا ادعا ہے کہ جو شے عملی نہ ہو وہ بیکار سے بھی بدتر ہے، تاریخ کا عملی تخیل میں نے یہ قائم کیا ہے کہ وہ محض واقعات کا بہ ترتیب وقوع بیان نہیں ہے، اور اس قسم کے بیان کو تاریخ نہیں بلکہ وقائع یا سنین نگاری کہیں گے، اسی طرح کسی عہد کے ملوک و مشاہیر یا نیک و بد کردار اشخاص کی زندگی کے خاص خاص پہلو یا سوانح کو پیش کرنا بھی تاریخ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ محض کسی عہد کے تراجم و سیر ماثر [illegible]

پھر کیا چیز ہے جسے میں تاریخ سمجھتا ہوں؟

تاریخ کا وہ عمومی تصور جو مجھے درست و پسندیدہ نظر آیا، یہ ہے کہ وہ کسی ملک یا نسل کے جمہور ذکور و اناث کے جسمانی و روحانی جذبات کے اسباب و عواقب کا تحریری احوال ہے، جسمانی و روحانی جذبات سے میری مراد وہ خیالات، حسیات اور ہیجانات ہیں، جنکا لوگوں کے روز مرہ کی زندگی پر اثر پڑتا ہے، جو قدیم عادات و رسوم کو بدل دیتے ہیں، جو لوگوں کو جنگ و جدل یا ممالک غیر میں جبراً عمل دخل اور توطن پر آمادہ کرتے ہیں، اور جن کی بدولت علوم تجربی، ادبیات اور فنون لطیفہ میں جدتیں اور ترقیاں ظہور میں آتی ہیں، مثال کے طور پر اسلام کے برگزیدہ پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ کہاں پیدا اور بڑے ہوئے، حجر اسود کو اٹھا کے ایک جگہ جمانے میں انھوں نے قبیلۂ قریش کی باہمی نزاع کا کس طرح فیصلہ کیا، کن غزوات میں شرکت فرمائی، کن کن قلعوں کو غنیم سے نجات دلائی، لوگوں نے آپکے ساتھ اور آپنے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، اور اسی قبیل کے حالات، محض "سیرت" یا "شمائل" میں داخل ہونگے، لیکن اگر لکھنے والا تحریر کا دوسرا پیرایہ اختیار کرے، اور یہ بتائے کہ آنحضرت (صلعم) نے کس طرح عرب کے عہد جاہلیت کے عادات و رسم و رواج میں تغیر پیدا کیا اور اپنی تعلیم اور مبارک مثال سے مکہ و مدینہ وغیرہ مقامات کے باشندوں کے افکار و اعمال پر کیونکر اثر ڈالا، تو یہی سیرت، تاریخ بن جائے گی، خدا کی توحید کی نئی

(علیہ التحیاۃ والتسلیم) نے مخصوص طریق و تدبیر سے تلقین فرمائی، سخت مشکلات وعوارض کے باوجود حدودرجہ سعی کی کہ بنی نوع
انسان متحد ہو کر ایک بہت بڑی اور طاقتور برادری بن جائیں، انھی نتائج کو واقعات سے مستنبط کرنا خالص تاریخ ہوگی،
اور اگر مصنف وہ داخلی اور خارجی اسباب جمع کرسکے جو توحید کی تلقین کے محرک ہوئے، اور جن افراد نے یہ عقیدہ تسلیم کیا
اُن کے ذاتی اور قومی اعمال پر اس کے آثار مترتب ہوئے، ان کی بھی تصریح کرسکے تو یہ بہت عمدہ تاریخ ہوگی،

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بھی عیاں ہوگیا ہوگا کہ ہم تاریخ کے تصور سے علم الاقوام، حتی کہ قبائل کی جزئی خصائص کو
بھی خارج نہیں کرتا، اور مشاہیر رجال ونسا کی سیرتیں، عہد ماضی کے وقائع بلکہ آثار قدیمہ تک اس میں داخل ہو جاتے ہیں
بغیر تاریخ نہیں چل سکتی، وہ انہی سب علوم کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے، لیکن جب واقعات وسنین، رسم ورواج اور افکار
وعقائد کو سامنے رکھکر وہ ان سے اتنے وسیع اسباب وعلل کا استخراج کرتی ہے، جنکا میں نے ذکر کیا، تو یہ اس کا اپنا میدان
ہے جس میں مذکورۂ بالا علوم پیچھے رہ جاتے ہیں، تاریخ ان شخصی سوانح کو بھی نظر انداز نہیں کرتی جو کسی قابل مثال فرد کو پیش
آئے ہوں، یعنی ایسے فرد کو جسے اپنے معاصرین کی تعداد کثیر کا نمونہ سمجھا جاسکے، فی المثل ہر اسلامی تاریخ میں بی بی خولہ کا اپنے
بھائی کے ساتھ جنگ میں جانا ضرور مذکور ہوگا، کیونکہ یہ بی بی ان صدہا خواتین میں سے ایک تھیں، جن کے دل میں اسلام
کی تعلیم نے ان دنوں خالصۃً خدا اور اس کے رسول (صلعم) کے لئے جنگ کرنے کا جوش بھر دیا تھا، اسی طرح کوئی تاریخ
حضرت علیؓ کی زندگی کے اس چھوٹے سے واقعہ کو قلم انداز نہ کرسکے گی، کہ ایک مرتبہ کسی دشمن نے جسے انھوں نے پچھاڑ
دیا تھا، اُن کے منہ پر تھوک دیا، اُسے یقین تھا کہ حضرتؓ اسے فوراً قتل کر دینگے، مگر انھوں نے اُسے چھوڑ دیا، اس واقعہ
سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اُن مبارک ایام میں لوگ کس درجہ ایثار نفس اور شجاعت رکھتے تھے، خلاصہ یہ کہ ایک
عمدہ مورخ بیشتر یہ بتاکر کہ وہی اسباب وتأثرات جو آج ہمارے گروہ کثیر کے افکار واعمال پر اثر انداز ہیں، پہلے بھی یہی اثر
رکھتے تھے، اپنے ناظرین کے سامنے عہد رفتہ کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ سکتا ہے،

میں نے تاریخ کی تعریف بیان کرنے میں محض اس لئے ذرا آزادی اور طوالت سے کام لیا کہ اسی ضمن میں تاریخ
کو پڑھنے کا طریقہ بھی منکشف ہو جائے، یعنی جسوقت آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کی پوری توجہ عہد ماضی کی اہم تحریکات

کے اسباب وعواقب پر نیز ان افراد کے اقوال وافعال پر مبذول رہے، جن کی اکیلی ذات اپنے عہد اور معاصرین کے خیالات
اور آرزوؤں کا نمونہ پیش کرتی ہے، طالب علم کو انسانی فطرت کی یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ کسی فرد کی نسبت تو یہ حکم
لگانا غیر ممکن ہے کہ خاص خاص حالات پیش آجانے کی صورت میں وہ کیا کریگا، لیکن ایک بڑے گروہ یا اجتماع کے متعلق بےشبہہ
آپ یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر کوئی ناگہانی آفت آجائے تو ان سب لوگوں کا طرز عمل کیا ہوگا، اس کی سادہ سی
مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے حاجیوں کا ایک قافلہ کسی جنگل سے گذر رہا ہے جس میں درندوں کی کثرت ہے، اب اگر ببر شیروں
کی ایک ٹولی یکایک قافلے پر آگرے تو یقین کیساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اہل قافلہ میں سے زید، بکر، سلیم یا جعفر منفرداً کیا کرینگے
کون بھاگ کھڑا ہوگا، یا مقابلے میں ڈٹ جائیگا، اور کون جوانمرد جان پر کھیل کر بے بس عورتوں اور بچوں کو بچانے کی کوشش
کریگا؟ لیکن یہ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن سب کو بلا استثنا یہ فکر پڑ جائیگی کہ شیروں سے زخمی یا ہلاک نہ ہوں، سبب یہ کہ خطرے
سے بچنا انسانی فطرت کا مقتضی ہے اور یہ حقیقت افراد کے معاملے میں اتنی آشکارا نہیں ہوتی جتنی ناگہانی موقعوں پر بہت سے
اشخاص ہوں، تو اس کا ظہور ہوتا ہے، یہ جاننا کہ عہد گذشتہ میں گروہ کثیر کے افعال سے فطری خواص کس طرح ظاہر ہوئے
زیادہ دلچسپ بھی ہے، بہ نسبت اس کے کہ یہ بتایا جائے کہ کسی زید وبکر پہ کیا گذری یا اس نے کیا کیا کام کئے، البتہ اگر یہ
فرد اپنے عہد کا نمونہ ہو تو اس کلیے سے مستثنیٰ ہوگا، اور کوئی بادشاہ ہو یا امیر، بزم سیاست کا شاطر ہو یا رزم کا مرد میدان
اسے نمونہ اسی وقت قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ اس کی ذات میں اپنی رعایا، برایا، بہت سے متبعین یا حاشیہ نشینوں کے خیالات
اور تمنائیں منعکس ہوں، مگر ایسے مشاہیر کی تدابیر و کارہائے نمایاں کے قصے پڑھتے وقت ہمیں محض ان کے علانیہ افعال واقوال
معلوم کرنے پر قناعت نہ کرنی چاہئے بلکہ ان کے اندرونی اسباب ومحرکات کی تہ تک پہنچنا چاہئے، یہ تاریخ کا خاص کام ہے کہ
وہ "اشتہا" اور "نفرت" کو انسانی افعال کا اصلی سرچشمہ ثابت کرتی ہے، اگرچہ ان دو جذبوں کی، محرکات ومقاصد کے نام
سے صدہا صورتیں ہوگئی ہیں، اشتہا میں عشق ومحبت اور جملہ خواہشیں داخل ہیں اور وہ کسی نہ کسی مقصد کے حصول میں
سائی رہتی ہے، نفرت میں غضب اور دوسرے وہ جذبات شامل ہیں جو حصول مقصد وآرزو کے موانع سے جدوجہد کرتے ہیں
کامیابی کا بڑا انحصار اس پر ہے کہ لوگوں کی منشا اور محرکات نفسی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اُن کے مطابق طرز عمل

اختیار کیا جائے۔ یزید کا منشا دین کو بگاڑنا تھا تاکہ خود اپنی قوت کو مضبوط کرے، سیدنا امام حسینؓ اس منشا اور دلی مقصد کو بخوبی سمجھ گئے تھے، ورنہ مکے سے کوفے کا سفر نہ کرتے، آنحضرتؓ نے اپنا فرض سمجھا کہ خود جائیں اور دین کی خرابی کو روکیں، لیکن اگر آپ کو اہلِ کوفہ کے محرکات نفسی کا صحیح علم ہوتا تو آپ مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کے علاقے میں اقدام نہ فرماتے، آپ سمجھے تھے کہ یہ لوگ جو یزید کے مظالم سے تنگ آکر آپ سے مدد کی التجا کر رہے ہیں، ان کا دلی منشا یہ ہے کہ پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نواسے کے حق کی نصرت وحمایت کریں گے، لیکن جیسا کہ آیندہ واقعات سے ثابت ہوا یہ حضرت امام اور ان کے مشیروں کی غلطی تھی، کوفیوں کا منشا محض اپنی خیر منانا تھا کہ فریقین میں سے جس کو قوی تر دیکھیں اسی کا دامن تھام لیں، انھوں نے بہادر امامؓ کو پیام پر پیام بھیجکر بلایا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حق اور قوت دونوں اُن کے ساتھ ہیں، اور حضرت حسینؓ لشکر جرار لیکر آئیں گے، لیکن جب معلوم ہوا کہ حضرت امام مکے سے بغیر کسی لشکر کے روانہ ہوئے اور ان کے ہمرکاب کوئی معقول بدرقہ تک نہیں ہے، تو اہلِ کوفہ سمجھے کہ ان کا "حق" تو ہے مگر ان کے پاس "قوت" نہیں ہے، لہذا یزید کی قوت سے ڈر کر انھوں نے حضرت امام کا ساتھ چھوڑ دیا اور انھیں دشمن کے ہاتھ سے ہلاک کرا دیا، اس مثال سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ لوگوں کے دلی منشا اور محرکات سے آگہی، کامیابی کیلئے کسقدر ضروری ہے،

اب میں تاریخ کے سہ گونہ افادے پر ایک نظر ڈالتا ہوں جسے ایک فارسی کہاوت میں اجمالاً اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "تاریخ آئینۂ گذشتہ است، درس حال و فال مستقبل"۔ اس قول کی تصریح وتمثیل کے لیے طول طویل مضمون درکار ہے لیکن میں آپ کی سمع خراشی کرنی نہیں چاہتا بلکہ اس قول کو نقل کرنے سے میرا مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ تاریخ کا مفید و کارآمد مطالعہ کس طرح کیا جا سکتا ہے،

(۱) اس قول کے پہلے جزء میں جو استعارہ لایا گیا ہے، ہم اس سے قطع نظر کئے لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ شاعری کی مثل جو شاہدِ فطرت کا نقاش ہے، مورخ کا کام ہی یہ ہے کہ عہد ماضی کی تصویر کھینچ دے، اور جیسا کہ میں نے ادھر اشارہ کیا وہ کتاب تاریخ کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی جس میں کسی ملک یا قوم کے کسی عہد گذشتہ کا صاف اور صحیح نقشہ نظر کے سامنے نہ آجائے، بس یہ جزء ہم تاریخ نگار کے لئے چھوڑتے اور اس موقع پر محض تاریخ بین کی ادنی حیثیت اختیار کرکے مذکورۂ بالا

قول کے دوسرے اور تیسرے جزء سے بحث کرتے ہیں،

(ب) عہد ماضی کے واقعات اور ان کے اسباب وعواقب پڑھنے کے بعد ہم اگر اپنے حالات حاضرہ میں اُن سے کوئی سبق نہ لیں یا نہ لے سکیں، تو یہ مطالعہ محض تضیع اوقات و دردسر کا موجب ہوگا، فرڈ وسلی جیسے تاریخ نویس اور اسپنسر و مل جیسے فلاسفہ نے مناظرے کئے ہیں، کہ تاریخ علوم عقلی (فلسفہ) میں داخل ہے یا علوم تجربی (سائنس) میں، یا دونوں سے خارج ہے؛ عجب نہیں کہ ارباب فضیلت کی جبین تامل پر یہ تعریف سنکر شکن پڑ جائے کہ تاریخ وہ فلسفہ ہے جس کی نظائر کے ذریعے تعلیم دیجاتی ہے، لیکن تاریخ جو کچھ بھی ہو، یا نہ ہو، میں سمجھتا ہوں کہ اس کا اصلی کام ناظرین کے لئے درسِ بصیرت فراہم کرنا ہے، جس طرح یہ مسلّم ہے کہ آپ کسی شخص کی سیرت کو اس کے سابقہ حالات کو جانے بغیر نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح کم سے کم یہ ماننا پڑے گا، کہ آپ حالات حاضرہ کی تہ کو اسوقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ آپ ان کی سرگذشت سے (جسے عام طور پر تاریخ کہتے ہیں) آگاہ نہ ہو جائیں، اسی سیدھی، سچی بات کو شاعرانہ لفاظی نے یوں ادا کیا ہے کہ "زمانۂ ماضی، عہد حاضر کا خلّاق ہے، اس کی مخلوقات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ خلاق سے واقفیت بہم پہنچائی جائے"،

میسور کی ایک سن رسیدہ خاتون نے کسی انگریز کو جو اس کے ساتھ بہت نیکی اور مہربانی سے پیش آیا تھا اپنی گھریلو زبان میں اس طرح دعا دی کہ،

"تمھاری ماں کا پیٹ ٹھنڈا ہو، تمھاری جورو کی چوڑیاں فولاد کی ہوں"۔

اس کا لفظی ترجمہ سنکر انگریز ہکا بکا رہ گیا، اور غالباً یہ سمجھا کہ بوڑھی خاتون اس کی ماں کی موت اور بیوی کو ہتکڑیاں پہنائے جانے کی دعا دے رہی ہے، وہ اسی چکر میں تھا کہ یہ دعا ہے یا کوسنا، تا آنکہ کسی شخص نے جو اس خاتون کے گذشتہ حالات سے واقف تھا، انگریز کو سمجھایا کہ وہ ٹیپو سلطان کے خاندان کی بیوی ہے اور دکن کے بیگمات کی زبان میں اسے دعائیں دے رہی ہے، ہندوستان میں عام خیال ہے کہ اگر کوئی ماں اپنے سپوت بیٹے سے خوش ہوگی تو اس کی کوکھ کو ایسا آرام ملیگا جیسے تھکے ہارے مسافر کو دھوپ کی تپش سے بچکر ٹھنڈے سایے میں آجانے

سے ملتا ہے، اور شادی شدہ عورتیں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ہمیشہ کانچ کی چوڑیاں پہنتی ہیں جن سے رشتۂ مناکحت کی نازکی دکھانی مقصود ہوتی ہے اور شوہر کے مرتے ہی یہ چوڑیاں توڑ دی جاتی ہیں، بس بوڑھی خاتون کا مطلب یہ تھا کہ اس انگریز کے مدارج میں روز بروز ترقی ہو جس پر اس کی ماں فخر و ناز کرے، اور اس کی عمر اتنی دراز ہو کہ اس کی بیوی کی کمزور کانچ کی چوڑیاں فولاد کی سی مضبوط معلوم ہونے لگیں، بہ الفاظ دیگر، وہ یہ دعا دینا چاہتی تھی کہ تمھاری عمر دراز اور زندگی بامراد اور شاندار ہو جسے اس طرح ہیر پھیر کے اس نے بیان کیا،

میں نے یہ ہنسی کا قصہ اس لئے نقل کیا کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ روزمرہ کی زندگی میں چھوٹی چھوٹی بات کو بھی ہم اگر اس کی "تاریخ" سے آگاہ نہ ہوں تو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر رہیں گے، ملکی، معاشرتی یا اقتصادی واقعات جو ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذر رہے ہیں، انھیں سمجھنے کے لئے تو ان کی تاریخ سے واقف ہونا اور بھی ضروری ہے، یعنی جب تک ان کے ماقبل واقعات یا خود ان کے وقوع میں آنے کی صحیح کیفیت سے آگہی نہ ہو اس وقت تک ہم ان کے اصلی مفہوم نہ پا سکیں گے، جامع الفاظ میں، اس کا سبب یہ ہے کہ عہد حاضر زمانۂ ماضی سے نکلا اور مستقبل میں بہ جاتا ہے،

شاید آپ خیال کریں کہ میں نے تاریخ کی ضرورتیں تو بتائیں مگر اب تک یہ بیان نہ کیا کہ تاریخ سے سبق کس طرح لیا جاتا ہے، اگر جواب میں میں کہوں گا کہ عہد گذشتہ کی روشنی میں اپنی انفرادی یا قومی زندگی کے واقعات کو سمجھنا ہی تاریخ سے بہت عمدہ سبق اخذ کرنا ہے،

نہاوند کی فیصلہ کن جنگ کے بعد عربوں کو معلوم ہوا کہ جتنی آسانی سے انھوں نے ایران فتح کیا اتنی آسانی سے اہل ایران کو مسلمان بنانا ممکن نہیں، ایرانیوں میں نسل کا غرور اتنا سخت و مستحکم تھا کہ اپنا دین چھوڑ کر مسلمان ہو جانا اور مذہبی جور و جبر سے بچنا قبول نہ کیا اور اس کے بجائے اپنے پرانے مذہب پر قائم اور ذمی بنکر جزیہ ادا کرتے رہے، امام زین العابدینؒ کے زمانے میں یہی کیفیت رہی کہ ایرانیوں کی تعداد کثیر اسلام سے کچھ واسطہ نہ رکھتی تھی، لیکن امام موصوف کے وقت میں یہ مذہب کمال سرعت سے ایران میں پھیل گیا، مگر تاریخ کا یہ کرشمہ اس وقت تک

ہماری کچھ سمجھ میں نہ آئے گا، جبتک ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ ایرانیوں کے آخری بادشاہ یزدجرد کی اکلوتی بیٹی پیغمبر اسلام (علیہ الصلوۃ والسلام) کی اکلوتی صاحبزادی کے فرزند سیدنا امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حبالۂ عقد میں آگئی تھیں اور اس طرح عالی تبار خسروان عجم کا شاہی خون امام زین العابدین سے امام مہدی تک ان محترم داعیان اسلام کی رگوں میں ساری ہو گیا تھا، بہ الفاظ دیگر یہ شادی ایک عمدہ تدبیر تھی جس نے ایرانیوں کو اسلام کی جانب مائل کر دیا، کیونکہ اب ان کو نظر آتا تھا کہ اسلام کے ممتاز اکابر خود ان کے دودمان شاہی میں شامل ہیں پھر اپنی شاہزادی کے شوہر (حضرت امام حسینؓ) کی شہادت نے انھیں اولاد حسینؓ کا اور زیادہ محب و غمگسار بنا دیا، اسی شہادت سے ملت اسلامی میں فرقہ بندی کی ابتدا ہوئی، لیکن ان سب واقعات سے ہم اپنے فوائد حاضرہ کے لئے کیا سبق لے سکتے ہیں؟ اس بارے میں خود آپ کی عقل سلیم رہنمائی کرے گی، میں صرف تین باتیں بیان کئے دیتا ہوں، ایک تو یہ کہ اجنبیوں کے مقابلے میں رشتہ داروں کا اثر زیادہ ٹھہرتا ہے، دوسری یہ کہ تبلیغ کے لئے جبر و فہمائش اتنی مفید نہیں جتنی یہ بات مفید ہے کہ غالب تدبیروں سے لوگوں کے محسوسات پر اثر ڈالا جائے، اور تیسری یہ کہ نسل کا پاس و غرور آج بھی دنیا کے ہر حصے میں، شورشوں اور مناقشوں کی تہ میں موجود ہے،

(ج) زیر بحث مقولے کا یہ تیسرا جزو کہ تاریخ "فال مستقبل" ہے، شاید اتنا صاف اور صریح نہیں ہے جتنا کہ دوسرا جزو جس پر ہم ابھی گفتگو کر رہے تھے، اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جیسا ہم نے بیان کیا تاریخ سے ہر شخص اپنے اپنے پیشے یا دائرہ عمل میں کام لینے کے لئے بہت سے ضروری سبق سیکھ سکتا ہے، لیکن کیا تاریخ میں آیندہ واقعات کا کوئی اشارہ اور ان سے روبراہ ہونے کی کوئی سبیل بھی مضمر ہوتی ہے؟ میرا خیال ہے کہ اس عام اصول کے مطابق کہ ع

"سالے کہ نکوست از بہارش پیدا"

مذکورۂ بالا سوال کا جواب اثبات میں دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہم آثار کو اصل واقعات نہ سمجھ بیٹھیں، کیونکہ اس اعتبار سے قدیم یونانی کاہنوں کے اقوال کی طرح، تاریخ سے بھی اچھے برے دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں، جیسا کہ یہ ذومعنیین قول کہ "یونان روما فتح کریگا" کہ پہلے رومیوں نے بزور شمشیر یونان کو فتح کیا اس وقت، اور جب آخر میں یونان

کی تہذیب روما پر غالب آئی تو اس وقت بھی صحیح تھا،

بہر حال واقعاتِ ماضی کے اسباب و عواقب سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے، کہ اس قسم کے اسباب وہی نتائج پیدا کریں گے جیسے پہلے رونما ہوئے تھے، البتہ یہ فیصلہ کرنا کہ یہ بالکل ویسے ہی اسباب ہیں جیسے پہلے جمع ہوئے تھے، کچھ آسان نہیں ہے کیونکہ مختلف اسباب سے بھی ایک ہی نتیجہ رونما ہو سکتا ہے، مغل اور ترکمان قومیں عراق، شام اور ایشیائے کوچک میں صلح و آشتی یا جنگ و جبر سے داخل ہو کر آباد ہو گئیں تو انھی ملکوں کا عام مذہب (اسلام) بھی قبول کر لیا، اور آیندہ حروب صلیبیہ میں ان ممالک کے اصلی باشندوں سے جنمیں عرب، معرب اور مستعرب سبھی شامل ہیں، یہی نو مسلم زیادہ پر جوش مسلمان ثابت ہوئے اب فرض کیجئے کہ جمہوریۂ روس ملک عرب کو فتح کرے اور وہاں کے ریگستانوں میں بھی فتحمند روسی آباد ہو جائیں، تو کیا ہم ترک و مغل اقوام کی تاریخی مثال کی بنا پر یہ پیشین گوئی کر سکتے ہیں، کہ عرب کے روسی فاتح بھی اسلام اختیار کر لین گے اور آگے چل کر خود عربوں سے بہتر مسلمان ثابت ہونگے؟ اس کا جواب یقین کے ساتھ اثبات میں دینا ممکن نہیں جس کی صریحی اور وہ بھی چند وجوہ یہ ہیں کہ نسل و غرورِ قومی معاشرت کے تعصبات اور آبا و اجداد کے مذہب کے لحاظ سے روسی عوام الناس اور قدیم ترکمان و مغل اقوام میں بڑا فرق ہے، پس ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ روسیوں کا طرزِ عمل عرب میں وہی ہوگا جو ان قوموں کا شام و ایشیائے کوچک میں رہا، اس طرح آپ خود خیال کر سکتے ہیں کہ تاریخ سے پیشین گوئی کرنا ایسا آسان اور یقینی نہیں ہے جیسا کہ اس سے سبق اخذ کرنا، تاریخ کے آثار و رموز شدنی واقعات کے متعلق اتنے قطعی نہیں ہو سکتے جتنے کہ سائنس یا علوم تجربی میں ہوتے ہیں، اسی لئے تاریخ کو ان علوم تجربی میں شامل نہیں کرتے البتہ سب نے اسے ایک عمدہ مشق تسلیم کیا ہے، اور تمثیلی استدلال، جو مسلمان فقہا کو بہت مرغوب ہے، تاریخ اس کا وسیع میدان پیش کر دیتی ہے، اب مختصر طور پر یہ بیان کرنے کے بعد کہ تمثیلی استدلال کسے کہتے ہیں، اور اس سے تاریخ کا مطالعہ کرنے میں کس طرح کام لینا چاہئے، میں اس مضمون کو ختم کر دونگا:-

تمثیلی استدلال، مماثل اشیا سے استخراجِ نتائج کی ایک صورت کا نام ہے، تاریخ کے دو موقعوں یا دو مشہور

شخصوں کو کئی لحاظ سے مشابہ دیکھکر تاریخ لکھنے یا پڑھنے والا یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ ان مماثل مواقع یا اشخاص کے طرزِ عمل کا نتیجہ یکساں ہوگا، مثلاً سید امیر علی نے متوکل علی اللہ کو عرب قوم کا نیرو دکھایا ہے اس فقیہ اور مورخ کو روم کے بادشاہ نیرو اور بغداد کے خلیفہ متوکل کے ذاتی اور سیاسی افعال میں اتنی مشابہتیں نظر آئیں کہ اُسنے یہ نتیجہ استخراج کرنے میں کچھ تامل نہ کیا کہ خلافت عباسیہ کے زوال و انتزاع کا آغاز ٹھیک اسی طرح متوکل کے ظالمانہ عہد سے ہوا جس طرح نیرو کے پر مظالم عہد سے روستہ الکبریٰ کی خرابی اور تباہی کا آغاز ہوا تھا، اور جس طرح گبن، نیرو کے بارے میں لکھتا، امیر علی نے متوکل کے متعلق یہ الفاظ تحریر کئے کہ وہ عیاشی میں مبتلا، دائم الخمر رہتا تھا اور مطلق پروا نہ تھی کہ سلطنت تباہی کی طرف جا رہی ہے،

یہ جتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اگر مشابہ امور کم ہوں، اور بہت سے اختلافات نظر انداز کر دئے جائیں تو تمثیلی استدلال بالکل مغالطہ آمیز ہوگا،

تاریخ سے خواہ عبرت حاصل کیجائے، خواہ آیندہ کے قرائن، ہر صورت میں دو موقعوں یا کم سے کم دو شخصوں کے حال کا مقابلہ کرنا پڑے گا، یہ بالکل یکساں تو نہیں ہو سکتے مگر لازم ہے کہ مشابہت رکھتے ہوں، یعنی اس قدر مختلف نہ ہوں جتنے ایک دوسرے کے مماثل ہیں، چنانچہ بغداد کی ملکہ زبیدہ کا احمدنگر کی چاندبی بی سے کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان میں کئی اعتبار سے بڑا فرق پایا جاتا ہے اور مماثلت کے پہلو کم ہیں، اسی طرح اسلام کے قرونِ اولیٰ میں عربوں نے جو طریق جنگ اختیار کیا اسکا محاربات صلیبی کے زمانے کے اسلامی طریق جنگ سے مقابلہ کرنا فضول ہے، البتہ ان دونوں میں جو فرق ہیں وہ مماثل امور کی نسبت تعداد یا اہمیت میں زیادہ ہوں، تو انکا مقابلہ کرکے تاریخی شواہد و قرائن کا استنباط کر سکتے ہیں،

تمثیلی استدلال نے علوم تجربی کو نئے انکشافات میں اکثر مدد دی ہے، اور تاریخ کے لئے بھی وہ نہایت کارآمد عامل ہے، اسی بنا پر میں نے مضمون کے ابتدائی حصے میں یہ بیان کیا تھا کہ ایک عمدہ مورخ بیشتر یہ بتا کر کہ وہی اسباب و تاثرات جو آج ہمارے گروہِ کثیر کے افکار و اعمال پر اثر انداز ہیں پہلے بھی یہی اثر رکھتی تھیں، اپنے ناظرین کے سامنے عہد رفتہ کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ سکتا ہے، دوسرے لفظوں میں جیسا کہ وٹنے ایک بلیغ جملے میں کہا ہے "تاریخ نوعِ انسان کی تعلیم کا مستند بیان ہے"[1]

[1] آخر کے دو جملے میرے نہیں بلکہ پروفیسر ای ای اسپیٹ نے بڑھا دیئے ہیں، جنھوں نے مہربانی سے اس خطبے کا مسودہ دیکھا تھا، انھوں نے بہت سی ترمیمیں بھی میرے نام معنون کی ہیں، اور اسی کے شکریئے میں میں یہ خطبہ ان کے نام سے معنون کرتا ہوں،

مستشرقین کے متعلق دو متضاد رائین،

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی،

اس سیاسی دور مین جب کہ ہر کام اور ہر عمل کی تہ مین کوئی نہ کوئی غرض پنہان ہوتی ہے مشرقیات اور اسلامیات کے متعلق مستشرقین کی تحقیقات کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے، اس مین شبہ نہین کہ بہت سے مستشرقین نے مسلمانون کی بڑی خدمت کی، انھون نے ساری ساری عمرین اسلامیات کی تحقیق مین صرف کردین، اور بڑی جانکاہ محنت اور جانی ومالی قربانی برداشت کرکے مسلمانون کے علوم وفنون اور ان کی گذشتہ عظمت کو دنیا کے سامنے پیش کیا، ان کی نادر اور نایاب کتابون کا پتہ چلایا، اور بڑی مشقت اور بڑے اخراجات برداشت کرکے انھین حاصل کیا، اور نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کیا، ان پر حواشی لکھے، ان کی شرحین کین، مختلف زبانون مین ان کے تراجم شائع کئے، اسلامی موضوع پر نہایت بلند پایہ کتابین تالیف کین، اور اسلامی علوم وفنون کی ہر شاخ پر اتنا نہایت وسیع لٹریچر فراہم کردیا، جو مسلمانون سے بھی ممکن نہ تھا،

ان کی ان اسلامی خدمات سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا، اور ان کی محنت وجانفشانیون کی داد نہ دینا ظلم اور احسان فراموشی ہے، لیکن اسی کے ساتھ جہان تک مذہب اسلام کے متعلق ان کے افکار اور خیالات اور تحقیقات کا تعلق ہے، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے، اس لئے کہ اسلامی مسائل کے متعلق اپنی تحقیقات مین انھون نے اب تک نیک نیتی کا کوئی ثبوت نہین دیا ہے، یا تو وہ مشرقی روایات مشرقی مذاق اور اسلامی ذوق ونظر سے بیگانہ ہونے کی وجہ سے اسلامیات کے سمجھنے اور اس کے پیش کرنے مین نہایت فاش

غلطیان کرتے ہین، یا عمداً وہ اسلام کو نہایت مسخ شدہ صورت مین پیش کرتے ہین، بہرحال جو صورت بھی ہو ان کی یہ غلطیان علم وفن کی خدمت اور تحقیق اور ریسرچ کے پردہ مین ہوتی ہین، یہ زمانہ ریسرچ وتحقیق کا ہے، اس لیے ان سے خود مسلمانون اور غیر قومون مین اسلام کے متعلق سخت گمراہیان پھیلتی ہین، بلکہ یہان تک کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانون کو یونانی فلسفہ، عجمی دہریت اور ہندی خرافات کسی سے اتنا نقصان نہین پہنچا جتنا ان محققین کی زہرآلود تحریرون سے پہنچتا ہے، جس کے مظاہر آئے دن آج کل کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانون مین نظر آتے ہین، اس لئے مذہب اسلام کے متعلق ان کی تحقیقات پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے،

ہندوستان کی طرح مصر مین بھی مستشرقین کے بارہ مین دو متضاد رائین ہین، ایک جماعت ان کی علمی شہرت سے مرعوب ہوکر ان کی ہر جنبش قلم کو بلاچون وچرا مان لیتی ہے، اور دوسری جو ان کی زہرچکانیون سے واقف ہے، وہ ان کی تحریرون کو ناقدانہ نظر سے دیکھتی ہے، حال مین مصر کے دو ممتاز اہل قلم ڈاکٹر حسین ہراوی اور ڈاکٹر ذکی مبارک نے علی الترتیب مستشرقین کی مخالفت اور موافقت مین اپنے خیالات ظاہر کئے ہین، ذیل مین ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ اصحاب اور اہل علم بھی اس مسئلہ کی اہمیت سے واقف ہون، حسین ہراوی لکھتے ہین کہ

مستشرقین سے فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچا ہے،

جب ہم یورپین زبانون کی کسی ایسی تالیف پر نظر ڈالتے ہین، جسین مصر، مشرق یا اسلام کے اجتماعی یا عمرانی موضوع پر مباحث ہون تو ہمکو بہت سی خلاف عقل وقیاس باتین نظر آتی ہین خصوصاً ان کتابون مین جو مذہب اسلام پر ہین، ان مین نہ صرف خلاف حقیقت اور خلاف عقل وقیاس باتین ہوتی ہین، بلکہ ان مین اسلام کی ایسی عجیب وغریب اور بھیانک تصویر پیش کیجاتی ہے، جسے کوئی مسلمان برداشت نہین کرسکتا، مشرقی آدمی اس کی یہ تاویل کرلیتا ہے کہ یہ غلطی مشرق کے حالات اور یہان کے عادات وفضائل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور مسلمان اسلام کی بھیانک تصویر دیکھ کر پیچ وتاب کھاکر رہ جاتا ہے،

جن نے یہ رائے ان یورپین تصنیفات کو پڑھ کر قائم کی ہے، جن سے بیک نظر ظاہر ہوجاتا ہے، کہ لکھنے والے

کو عموماً مشرق اور خصوصاً اسلام کی حقیقت سے مطلق واقفیت نہین ہے، مثلاً،

مارشل اپنی کتاب "شادی" مین لکھتا ہے، کہ مصر مین اسلامی پردہ کا یہ اثر ہے کہ وہان چودہ سال کی عمر کے بعد [illegible] بھی اپنی لڑکی کا چہرہ نہین دیکھ سکتی، یا اسی کتاب مین ایک دوسرے موقع پر ہے کہ یعنی مصر کی لڑکی اپنے چہرہ کے علاوہ باقی جسم کے تمام حصون کو مردون کے سامنے عریان کر سکتی ہے، یا کتاب "شادی اور وراثت کی نسبت" مین ہے کہ اسلام نے پردہ اور تعدد ازدواج کے حکم سے تمدن پر ایک کاری ضرب لگائی ہے، یا اسی کتاب مین ایک اور مقام پر ہے کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلعم) محض ایک زن پرست آدمی تھے، ان خیالات اور علمی ریسرچ سے لکھنے والے کی نسبت صاف ظاہر ہے کہ وہ حق و انصاف کو پامال کرکے محض اسلام کو بدنام کرنا چاہتا ہے،

یورپین مصنفات کی یہ خوبی ہے کہ اس مین ماخذون کے حوالے بھی دے دیئے جاتے ہین، جب مین اصل ماخذون کی طرف رجوع کرتا تھا، تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کا ماخذ محض مستشرقین کے دماغ ہین،

اس مین شبہہ نہین ہے کہ یورپین زبانون مین عام خاص تاریخون اور مختلف قومون اور ان کے علمی کارنامون پر نہایت عمدہ کتابین ہین مین نے یہ کتابین دیکھی ہین، ان مین دیکھنے والے کو ایک خاص بات نہایت نمایان نظر آتی ہے کہ جب تک وہ قدیم و جدید تاریخ مثلاً مصر قدیم اور اس کے آثار اور عراق اور اس کی گذشتہ عظمت وغیرہ پر لکھتے ہین اس وقت تک نہایت محققانہ لکھتے ہین، لیکن جب اسلامی مباحث یا رسول اللہ صلعم کی سیرت پر قلم اٹھاتے ہین، تو ان کا قلم بہک جاتا ہے، اور وہ نہایت لغو مہمل، ذلیل، رکیک بلکہ جھوٹ باتین تک لکھ جاتے ہین، مثلاً ان کا قلم رسول اللہ صلعم کی یہ تصویر پیش کرتا ہے، کہ (نعوذ باللہ) "وہ جنگی مذہب کا بانی تھا، اور اس کو انسانی فضائل سے کوئی علاقہ نہین" بلکہ اس سے بھی زیادہ خرافات بک جاتے ہین،

مشہور پروفیسر مارگولیتھ جو یورپ مین اسلامیات کے امام فن مانے جاتے ہین اور آکسفورڈ مین اسلامیات کا درس دیتے ہین، اپنی کتاب "تاریخ العالم العالم" مین یہ نادر تحقیق پیش کرتے ہین، کہ محمد (صلعم) عبداللہ کے بیٹے ہین، اور عبداللہ عرب مین اس لڑکے کو کہا جاتا تھا جس کا باپ لامعلوم ہو، بہت ممکن ہے کہ محمد کے باپ کا نام عبداللہ بھی اسی وجہ سے

برا ہو، اگر کوئی معمولی مستشرق اس قسم کی بے ہودہ بات کہتا تو قابل درگذر تھا، لیکن یہ اس شخص کی تحقیق ہے جو یورپ مین عربی کا سب سے بڑا ماہر ہے،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کو لیجئے جہان تک عام تاریخ اسلام کا تعلق ہے، اس مین تمام چھوٹے بڑے مسائل پر نہایت تاریخی استقصار کے ساتھ بحث ہے، لیکن اسی محققانہ کتاب مین رسول اللہ صلعم کے متعلق نہایت دل شکن اور تکلیف دہ باتین درج ہین، اس کی کیا تاویل کیجا سکتی ہے،

"لجنۃ العمل المغربی" کی تقریرون کے مجموعے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمیٹی سیاسی استعمار کا ایک دام ہے، جس کا کام مستشرقین کے ذریعہ سے مشرق مین استعمار کی جڑین مضبوط کرنا ہے، چنانچہ یہ کمیٹی مشرق مین اسلام کے مقابلے کے گر بتاتی ہے، اور مستشرقین ان پوشیدہ تقریرون کو جنمین اسلام کے مقابلہ کی صورتین بتائی جاتی ہین، غیر ملکون مین اپنی حکومتون کے پاس بھیجتے ہین، چونکہ اسلام استعمار کے خلاف ایک زبردست تعلیم ہے، اس سے اسلام کو کمزور کرنے کے لئے یہ چال چلی جاتی ہے، کہ شمالی افریقہ اور دوسرے اسلامی ملکون مین جہان کی مادری زبان عربی ہے، عربی کی اہمیت گھٹا کر وہان کے باشندون کو مقامی زبانون کے زندہ کرنے کے دام مین پھنسایا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر عربی زبان بھول جائین، اور قرآن کے سمجھنے والے باقی نہ رہین، اس وقت ان کے خیالات اور رجحانات کو اپنے سانچے مین ڈھال لیا جائے (جیسا کہ آج کل ہندوستان مین ہو رہا ہے اور اس کے مذموم نتائج بھی نکل رہے ہین)

یہ تقریر جس کا مین نے اوپر ذکر کیا ہے، یورپین مصنفات کی طرح اسلام کے متعلق خرافات کا ایک زہر چکان نمونہ تھی مجھے یورپ کے قیام کے زمانہ مین یورپین اشخاص سے اسلام پر گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ ابتدا سے ان کی پرورش ایسے ماحول مین ہوتی ہے، جس مین شروع ہی سے اسلام سے نفرت اور مسلمانون کی تحقیر سکھائی جاتی ہے، تاکہ نہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو سکین اور نہ مسلمانون سے مل سکین،

مشرق والون کو مستشرقین سے کسی خیر خواہی اور ہمدردی کی توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ سانچے ہی مشرق کے مفاد کے خلاف ہین، جن مین مستشرقین ڈھالے جاتے ہین، یورپ کی یونیورسٹیون مین خاص اغراض و مقاصد کے ماتحت

طلبہ کو مشرقی زبانوں کی تعلیم دیجاتی ہے، ان میں جو طلبہ پڑھتے ہیں، انھیں مشرق سے کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے اور نہ مشرقی زبانوں سے کوئی محبت و انسیت ہوتی ہے، بلکہ وہ اجنبی طلبہ ہوتے ہیں جنھیں استعماری مشین چلانے کے لئے انھیں اصولوں پر ڈھالا جاتا ہے، جن سے وہ استعماری مشین کا پرزہ بن سکیں اور اس کا خاص اہتمام رکھا جاتا ہے، کہ اون کی قومی عصبیت ضائع نہ ہونے پائے، تاکہ وہ مشرق میں جاکر مشرق یا اسلام کی طرف مائل نہ ہو سکیں، ایسی صورت میں ان سے جنمیں بعض آگے چل کر مستشرقین کے زمرہ میں آجاتے ہیں، یا ان کے اساتذہ سے جو بڑے بڑے مستشرقین ہوتے ہیں مشرق یا اسلام کے ساتھ انصاف کی توقع رکھنا بیکار ہے، مستشرقین خواہ یونیورسٹی کے احاطہ میں استاذ کے لباس میں ہوں یا باہر مصنف کی شکل میں اپنے اصل مقصد کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کر سکتے،

مستشرقین نے اسلام کے خلاف زہر پھیلانے کے لئے یہ عجیب فریب دہ طریقہ نکالا ہے، کہ جب تک وہ اسلامی تاریخ پر بحث کرینگے اس وقت تک خالص مورخ رہیں گے، لیکن جب رسول اللہ صلعم کی سیرت، مذہب اسلام یا قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے تو ہمیشہ مخالفانہ لکھیں گے، کہ دوسرے اس کو پڑھ کر اسلام سے خوف زدہ ہوں، اسلامی مباحث پر لکھنے میں وہ علمی دیانت اور تحقیقی اصول کو بالکل بھول جاتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے ذہن میں ایک نظریہ یا ایک خیال فرض کرتے ہیں، اس کے بعد اس کے اسباب تلاش کرتے ہیں، اگر قرآن میں کوئی ایسی شے مل گئی جو ان کے خیال میں ان کے مفید مطلب ہو یا اسے کھینچ تان کر اپنے مقصد کے مطابق بنا سکتے ہیں، تو فوراً اسے لے لیتے ہیں، اور اگر قرآن ان کے مقصد کے معارض پڑتا ہے، تو اسے نظر انداز کر کے کہہ دیتے ہیں کہ قرآن میں ہے ہی نہیں، یہ تنہا میرا سوئے ظن نہیں ہے، بلکہ اس کے ثبوت میں واقعات موجود ہیں، اس موقعہ پر مشتے نمونہ از خروارے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں

مثلاً انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے چیف اڈیٹر موسیو ونسنک، جو یورپ میں اسلامیات کے بڑے متبحر عالم مانے جاتے ہیں، اور جن کی رائے اسلامی مباحث پر فیصلہ کا حکم رکھتی ہے، حضرت ابراہیم اور کعبہ کے متعلق لکھتے ہیں :-

" اسپرنگر پہلا شخص ہے، جس کا ذہن سب سے پہلے ادھر منتقل ہوا کہ قرآن میں ابراہیم کی شخصیت بانی کعبہ

کی حیثیت حاصل کرنے سے پہلے کئی دوروں سے گذر چکی ہے، اسپرنگر نے آنحضرت صلعم کو بدنام کرنے اور آئندہ اس موضوع پر لکھنے والے مستشرق کے لئے ایک معمولی سی بنیاد ڈال دی، اس کے بعد سنوک ہرگرونیہ نے اتنا ابھار اکر ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر دی، اور یہ دعویٰ کر دیا کہ قرآن کی ان سورتوں میں جو پہلے نازل ہوئی ہیں یا مکی سورتوں میں مثلاً ذاریات آیہ ۲۴، حجر آیہ ۵۰، صافات آیہ ۸۱، انعام آیہ ۷۴، اور مریم آیہ ۴۲ میں ابراہیم کی حیثیت محض ایک رسول کی ہے جو دوسرے انبیاء و رسل کی طرح اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، ان سورتوں میں اسمٰعیل کے ساتھ ابراہیم کے کسی تعلق کا بھی ذکر نہیں ہے، اسی ضمن میں ہمارا مستشرق باتوں باتوں میں اشارۃً عرب میں رسول کی بعثت سے بھی انکار کر جاتا ہے، اور ثبوت میں (سجدہ آیہ ۲، سبا آیہ ۴۳ - اور یٰسین آیہ ۵) کو پیش کر کے کہتا ہے، کہ آیات میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ہے، کہ ابراہیم کعبہ کے معمار یا پہلے مسلمان تھے،

" لیکن مدنی سورتوں میں یہ حالت بدل جاتی ہے، اور ابراہیم حنیف مسلم اور ملۃ ابراہیمی کے بانی ہو جاتے ہیں جنھوں نے اسمٰعیل کے ساتھ خانہ کعبہ کو بنایا جیسا کہ (بقرہ آیہ ۱۰۰ الخ اور آل عمران آیہ ۶۰ الخ) سے ظاہر ہوتا ہے "

ان مفروضہ مقدمات کے بعد پھر یہ نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اس اختلاف کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد نے ابتداءً مکہ میں یہودیوں پر اعتماد کیا تھا، لیکن انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمد کے خیالات کو دشمنی سے محمول کیا، اس سے محمد (صلعم) کو کسی دوسرے مددگار کی ضرورت پیش آئی، اس وقت ان کی ذکاوت اور عقل سلیم نے ابو العرب ابراہیم کی ایک نئی شان کی جانب توجہ دلائی جس کے وسیلہ سے ان کو اس زمانہ کی یہودیت سے گلو خلاصی حاصل کر کے ابراہیم کی یہودیت سے جو اسلام کا منشا اور مولد ہے، رشتہ جوڑنا آسان ہو گیا، اور جب مکہ والوں نے ان کے پیغمبرانہ خیالات کو قبول کرنا شروع کر دیا، اس وقت ابراہیم اس مقدس شہر کے مقدس گھر کے بانی ہو گئے "

ونسنک کے ان خیالات کو پڑھ کر دھوکا ہو جاتا ہے، کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے، وہ صحیح ہے، اور اس نے اس تحقیق میں استقصاء کے ساتھ قرآن کی ایک ایک آیہ کو پڑھکر یہ رائے قائم کی ہے، لیکن اسکو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اس نے اس دعویٰ میں انتہائی خیانت اور بد دیانتی سے کام

لیاہے، اور اس کذب صریح سے اس کا مقصد صرف آنحضرت صلعم کی رسالت کی تکذیب ہے، اور اس کے زعم مین یہ آیات قرآنی اسکا ثبوت ہین،

وہ نہایت بے باکی کے ساتھ دعوی کرتا ہے کہ مکی سورتون مین ابراہیم کا ذکر معمار کعبہ کی حیثیت سے اور اسمٰعیل کے ساتھ ان کے کسی تعلق کا ذکر نہین ہے، اور مدنی سورتون سے ملت ابراہیم کا ذکر شروع ہوتا ہے، لیکن یہ تینون دعوے سراسر جھوٹ ہین،

سورہ ابراہیم خود مکی ہے جس مین نہایت واضح طور پر کعبہ اور ابراہیم اور اسمٰعیل کے تعلق کا تذکرہ موجود ہے،

رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیْرِ ذِی	اے ہمارے رب مین نے اپنی کچھ اولاد بے کھیتی والی
زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ	وادی مین تیرے محترم گھر کے پاس بسائی ہے تاکہ وہ نماز
فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ	پڑھیں پس تو لوگون کے دلون کو ان کی طرف مائل کر دے
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ رَبَّنَا اِنَّکَ تَعْلَمُ	اور ان کو پھلون سے رزق دے، تاکہ یہ تیرا شکر ادا کرین
مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ	اے ہمارے رب جو کچھ ہم چھپاتے ہین اور جو کچھ ظاہر کرتے ہین
شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	اور اللہ پر کوئی چیز بھی نہین ہے، نہ زمین مین اور نہ آسمان
الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ	مین خدا کا شکر ہے جس نے مجھکو بڑھاپے مین اسمٰعیل اور
اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَاءِ (ابراہیم ع ۶)	اسحٰق دیئے، میرا رب دعا کا سننے والا ہے،

اسی طریقہ سے سورہ انعام اور سورہ نحل مین جو مکی ہین ملۃ ابراہیمی کا تذکرہ ہے، سورۂ انعام مین ہے،

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ	اے پیغمبر لوگون سے کہدو کہ میرے رب نے مجھ کو
مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ	سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، اور وہی ٹھیک دین ہے
حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ	جو ابراہیم کا دین ہے جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور
(انعام ع ۲۰)	اور مشرکین مین نہ تھے،

اور سورہ نحل مین ہے

ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ	پھر ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ ملۃ ابراہیم کی پیروی
حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (انعام ع ۲۰)	کرو جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکین مین نہ تھے،

ان صریح آیات کے بعد ونسنک کے دعوی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مستشرقین اسلامی موضوع پر لکھنے مین علمی دیانت سے کام نہین لیتے اور جہان مذہبی ماخذ ان کے مقصد کے خلاف پڑتے ہین فوراً اس سے انکار کر جاتے ہین جیسا کہ اوپر کی مثال سے واضح ہے تنہا عرب ایک ہی واقعہ مین یہ حالت نہین ہے، بلکہ وہ عموماً خیانت اور بد دیانتی سے کام لیتے ہین،

یہ بھی عجیب نادانی کی بات ہے کہ مستشرقین اسلام یعنی ملت ابراہیمی کو جس یہودیت سے ماخوذ بتاتے ہین وہ حضرت ابراہیم کی نسل کے بہت بعد کے ایک شخص یہوداہ کی جانب منسوب ہے، جن کا زمانہ حضرت ابراہیم سے سینکڑون برس بعد ہے، ایسی حالت مین ایک چیز اپنے صدیون بعد کی پیدا شدہ چیز سے کس طرح ماخوذ ہو سکتی ہے، تعجب ہے کہ اس قسم کے خرافات اور واضح غلط بیانیون کے بعد لوگ مستشرقین کی تحقیقات کو وحی سمجھتے ہین انکی باتون پر تو ایک لمحہ کے لئے اعتماد نہ کرنا چاہئے،

اوپر کا بیان ڈاکٹر حسین ہراوی کے خیالات کا خلاصہ ہے، ڈاکٹر ذکی مبارک جن کی رائے مین مستشرقین سے فائدہ زیادہ پہنچا ہے اپنی رائے کی تائید مین یہ دلائل پیش کرتے ہین،

مستشرقین سے نقصان سے زیادہ فائدہ پہنچا ہے،

مستشرقین کی جماعت ایک فاضل اور باکمال جماعت ہے، ان کے ساتھ ہمین تعلق قائم رکھنا چاہئے، اور ان سے تعاون کرنا چاہئے، جو لوگ ان سے علمی اور ادبی تعلقات قائم رکھنے کی دعوت دیتے ہین، وہ یہ کہتے ہین کہ

مستشرقین مستعمرین کی فوج کا طلیعہ ہین، لیکن بالفرض اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو استعمار فی نفسہ کونسا جرم ہے، اور وہ اگر کوئی مضر اور قابل نفرت شے ہے، تو اس کے انسداد کا یہ طریقہ تو نہین ہے کہ ہم مستعمرین کے

محض دشمن نہ جانین اور ان سے ہر طرح کے روابط و تعلقات منقطع کر لین بلکہ ہمین اس کی مضرتون کو روکنے کے مناسب وسائل اختیار کرنے چاہئین، اور استعمار کے تدارک کے لئے مستعمرین کے علوم و فنون اور ان کے ان اسرار کا پتہ لگانا چاہئے جن کے ذریعہ سے وہ ہم پر وار کرتے ہین، اور استعمار کا دام بچھاتے ہین، میرے نزدیک جو شخص اس کی زحمت گوارا نہین کرتا، اور انھین ناقابل التفات سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے، وہ اپنا اور اپنی قوم دونون کا دشمن ہے، اسلئے کہ ان کے لٹریچر اور خیالات سے ناواقفیت اور ان کے اغراض و مقاصد کے انسداد سے غفلت اور بے پروائی ان کے مقاصد کو پورا کرنا اور انھین غفلت مین دام ڈالنے کی جراَت دلانا ہے،

یہ بھی علی الاطلاق صحیح نہین ہے کہ سارے کے سارے مستشرقین دام استعمار کا حلقہ ہین، اور وہ ساری عمر اسی کار خیر مین صرف کر دیتے ہین، مستشرقیت کی ابتدا اس لئے ہوئی تاکہ یورپ مین نوجوانون کو ایسے کامون کی ترغیب دلائی جائے جس کے وسیلہ سے وہ نوآبادیات مین زندگی بسر کر سکین، اور اس غرض کے لئے یورپ کے بڑے بڑے ملکون مین عربی اور فارسی وغیرہ بڑی بڑی زندہ مشرقی زبانون کی تعلیم کے لئے خاص درسگاہین قائم کی گئین، جن کے تعلیم پائے ہوئے اکثر سفارتون، تراجم کے دفاتر اور بعض درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے ہین، ان کی بڑی تعداد ایسے شعبون مین نکل جاتی ہے، جو معاش کے لئے مفید ہون، اور بہت تھوڑی تعداد مشرقی علوم و آداب کے درس و مطالعہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرتی ہے، اس شرذمہ قلیل مین آیندہ چل کر بڑے بڑے علماء پیدا ہوتے ہین، جو ایک عمر کی مشقت اور جد و جہد کے بعد صحیح معنون مین عالم کہلانے کے مستحق ہوتے ہین ان کے علمی مذاق کی وجہ سے استعمار کی رگ اگر ہوتی بھی ہے، تو دب جاتی ہے، اور وہ مشرق کے شرف و عظمت کے بڑے نقیب اور انکی تہذیب و معاشرت بلکہ انکے مذہب کے بڑے حامی و مددگار بن جاتے ہین،

ان کے اس خالص اور بے آمیز مشرقی میلان کا ثبوت بعض مستشرقین کا خالص نظری مسائل کیجانب انہماک ہے، جس مین کہین سے استعماری اغراض کی آمیزش نہین ہوتی، مثلاً بہت سے مستشرقین بصریون اور کوفیون کے صرفی و نحوی مذاہب کے فروق کے درس و مطالعہ مین مشغول ہو جاتے ہین، اور مصادر کے جمع کرنے اور ان کے نصوص و شواہد اور

علمائے فن کے فیصلون کی طبع و اشاعت مین برسہا برس گذار دیتے ہین بعض مختلف قبائل کی بولیون اور ان کے لہجون کے اختلافات کی تحقیق مین برسون صرف کر دیتے ہین، اور اس قبیل کے بہت سے خالص علمی اور بے غرضانہ خدمات انجام دیتے ہین، ان خدمات کو کون منصف مزاج استعماری اغراض کے ماتحت شمار کر سکتا ہے،

سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین غلطیان کرتے ہین یہ اعتراض صحیح ہے لیکن یہ غلطیان عموماً کسی متن کی شرح مین ہوتی ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری زبانون کی طرح عربی زبان مین بھی خاص رموز باریکیان اور ادائین ہین جن کو اہل زبان کے سوا دوسرا نہین پا سکتا، انھین باریکیون اور اداؤن کی ناواقفیت کی وجہ سے مستشرقین اشعار کے سمجھنے مین نہایت مضحک غلطیان کرتے ہین، اس موقع پر اس کی دو مثالین پیش کیجاتی ہین، مثلاً مشہور مستشرق مسٹر مارگولیتھ نے ابو الفتح ابن العمید کے اشعار ذیل

یقول لی الواشون کیف تحبھا	فقلت لھم بین المقصر و الغالی
ولو لا حذاری منھم لصدقتھم	وقلت ھوی لم یھوہ قط امثالی
وکم من شفیق قال مالک واجما	فقلت انی مالی و تسالی مالی

کے فہم مین نہایت فاش غلطی کی ہے، اوپر کے دونون شعر اور تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ کے معنی بالکل صاف ہین، البتہ دوسرے مصرعہ کے معنی نہین نکلتے اسکے سمجھنے مین مسٹر مارگولیتھ گڑبڑا گئے اور اپنی فہم کے مطابق اسکی یہ اصلاح کر دی، فقلت انا مالی و ان تسالی مالی' حالانکہ ان کی یہ تصحیح پہلی غلطی سے زیادہ مضحک ہے، اگر وہ ابن خلکان کو جسمین یہ مصرع صحیح لکھا ہوا ہے، دیکھ لیتے تو انھین معلوم ہو جاتا کہ یہ مصرعہ اس طرح ہے' فقلت تری مابی و تسال عن حالی

دوسری غلطی مستشرقین کی ایک پوری جماعت سے جو موسیو ڈوزی کے ساتھ نفح الطیب کی تصحیح مین شریک تھی سرزد ہوئی ہے، انھون نے ابو الولید کے ان اشعار

الیک ابا حفص و ما عن ملالۃ	ثنیت عنانی و الحبیب حبیب
فلا یطیر الحمیر عن جنباتہ	و من تحتہ قلب علیک یذوب

کو جو نفح الطیب مین ہین کسی دوسری کتاب مین "معالا" کے لفظ کو "مطالا" پڑھکر لکھدیا، کہ ان اشعار کے معنی صحیح نہین نکلتے اور معلوم ہوتا ہے کہ درمیان سے کوئی شعر حذف ہوگیا ہو، حالانکہ "معالا" ہی صحیح ہے، اور اسی سے صحیح معنی نکلتے ہین، اس غلطی کی وجہ صرف یہ ہو کہ وہ "معالا" کی ترکیب نحوی کو نہ سمجھ سکے، اگر انھین معلوم ہوتا کہ "معالا" پہلے شعر کے لفظ "الیک" کا مفعول بہ ہے تو یہ غلطی نہ ہوتی،

پہلی غلطی "معجم الادباء" مین ہے، جسے مارگولیتھ نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، اور دوسری غلطی "نفح الطیب" مین ہے، ممکن ہے تلاش کرنے سے دس پانچ اور زیادہ فاحش غلطیان نکل آئین لیکن یہ خفیف غلطیان اس عظیم الشان خدمت کے مقابلہ مین کیا حقیقت رکھتی ہین، جو مارگولیتھ اور موسیو ڈوزی نے "معجم الادباء" مین "نفح الطیب" جیسی اہم کتابون مین نہایت صحت اور اہتمام کیساتھ شائع کرکے عربی زبان کی انجام دی ہی، آخر الذکر کتاب اندلس کے اسلامی عہد کی علمی اور ادبی تاریخ کا سب سے پہلا ماخذ ہے، مصر مین بھی یہ کتاب چھپی ہے، لیکن نہایت مسخ شدہ شکل مین جسمین فہرست تک کا پتہ نہین ہی، ایسی حالت مین اس عظیم الشان اسلامی خدمت کے مقابلہ مین ان معمولی اغلاط کی کوئی حقیقت باقی نہین رہجاتی،

دوسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین شریعت اسلام کی شرح مین غلطیان کرتے ہین، یہ اعتراض البتہ صحیح ہے بہت سے مستشرقین اسلام کے متعلق ایسے خرافات لکھتے ہین جو کسی طرح علما اور محققین کے شایان شان نہین ہین خصوصاً جب آنحضرت صلعم کی سیرت پر کچھ لکھتے ہین، لیکن اس مین بھی آپ کی زندگی کے خانگی اجتماعی اور تشریعی پہلوون پر ان کے خاص نظریے ہین، جن سے بعض مذہبی پہلوؤن کی خدمت ہوتی ہے،

میری رائے تو یہان تک ہے کہ اسلام دشمن مستشرقین نے اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے بھی اسکی بڑی خدمات انجام دی ہین مثلاً اس سلسلہ مین انھون نے قرآن وحدیث اور اس کے متعلقات پر نہایت عمدہ تالیفین طبع کین انکی فہرستین بنائین، ان کی ایسی بہتر ترتیب اور تبویب کی کہ ہمارے شیوخ ازہر سے بھی ممکن نہ تھی، موسیو ونسنک نے بھی جو ہمارے دوست حسین مرادی کے تیر ملامت کا سب سے زیادہ نشانہ ہین، حدیث نبوی پر اپنی تالیف سے اسلام کی بڑی خدمت انجام دی، بالفرض اگر ہم مناظرانہ طور پر یہ بھی مان لین کہ اس کتاب کی اشاعت مین حق وصداقت کا جذبہ اور حسن نیت شامل نہ تھا، تو بھی اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ اس سے غیر ارادی طریقہ سے اسلام کی خدمت ہوگئی، آج کل امریکہ اور یورپ مین آثار اسلامیہ

کی اشاعت سے زیادہ اسلام کی کون سی خدمت ہو سکتی ہے، اور یہ خدمت مسلمانون کا فرض تھا، لیکن افسوس انھون نے اس فرض کو محسوس نہین کیا، اور اس کو دوسرون پر چھوڑ دیا کہ وہ ان کی میراث مین جو تصرف چاہین کرین،

افکار کی زندگی ان پر بحث وتنقید مین ہے، افکار کے لئے یہ قابل افسوس نہین ہے، کہ لوگ اس پر تنقید یا اس کی مخالفت کرتے ہین، بلکہ افسوسناک یہ ہو کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے اور مدحاً اور ذماً اسپر کچھ نہ کہا جائے، اسلئے اسلام اون کے خیر سے استفادہ کیطرح اون کے شر سے بھی فائدہ اٹھاتا ہی، مین قیام پیرس کے زمانہ مین بدھ مذہب کے افسانون اور خرافات کی اشاعت کی کثرت پر رشک کرتا تھا، اور دعا کرتا تھا کہ کاش خدا اسلام کو بھی ایسے خدام عطا کرتا جو ان ممالک مین اسکے فضائل کی اشاعت کرتے،

مستشرقین نے ہم سے تین صدی پہلے اسلام کے اسلامی اور ادبی درس ومطالعہ کی طرف توجہ کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مصر بلکہ مشرق کا بڑے سے بڑا محقق ان کی علمی بحث وتحقیقات کو جو شرح مین چھپی ہوئی ہو نظر انداز نہین کر سکتا،

کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ازہریین کو جو اسلام کا ملجاء ومامن سمجھا جاتا ہے، چند برسون پہلے اسلامی تاریخ پڑھانے کا ڈھنگ بھی نہ آتا تھا، کس قدر شرم کی بات ہے کہ آج بھی جامعہ مصریہ کے ادبی کالج مین عربی زبان حاصل کرنے والے طالب علمون کی تعداد ساربن یونیورسٹی کے عربی طلبہ سے کم ہے، کس قدر افسوس کا مقام ہو کہ پیرس کی السنۂ مشرقیہ کی درسگاہ مین عربی کے اتنے اور ایسے ایسے مطبوعہ ماخذ ہین کہ مصری دار الکتب مین ان کا نام بھی نہین،

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ان کی علمی فضیلت کی وجہ سے ہمارے ذہن ودماغ مین ان کے اثرات زیادہ پائدار ہوتے ہین، اپنی قوم کو میرا یہ مشورہ ہو کہ وہ ان مستشرقین کے نقش قدم پر ضرور چلین لیکن اسی کے ساتھ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مستشرقین انسان ہین فرشتہ نہین ہین، ان کے بھی اغراض ومقاصد ہین، اور وہ بھی انسانون کی طرح غلطیان کرتے ہین اور چونکہ ان کے پاس خیالات کی نشر واشاعت کیلئے وسائل زیادہ وسیع ہین، ان کی یہ غلطیان پھیل جاتی ہین، اور ان کا نقش زیادہ پائدار رہتا ہے، مین مستشرقین کی غلطیون کو ناقابل التفات نہین سمجھتا، اور بے سمجھے بوجھے ان کی پیروی کرنے کی دعوت نہین دیتا، لیکن میرا عقیدہ ہے کہ ان کی کوششون سے لغوی اور اسلامی درس مین زندگی پیدا ہوگئی اور دنیا مین کوئی چیز خالص شر اور خالص خیر نہین ہے، لیکن ان علماء مستشرقین کے کامون مین نفع کا پہلو غالب ہے،

تلخیص و تبصرہ

جزیرۂ سقوطرہ میں عیسائیت اور اسلام

ایشین مورخہ ۱۰ مارچ ۳۴ء میں "جزیرۂ سقوطرہ" کے عنوان سے کسی یورپین عیسائی نے ایک مقالہ لکھا ہے، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے،

سقوطرہ کی قدیم تاریخ صحیح طور پر معلوم نہیں، پرانے زمانہ میں یہ ایک وسیع اور ویران جزیرہ تھا، لیکن اسوقت بھی تجارتی دنیا میں اسے کسی قدر اہمیت حاصل تھی، کیونکہ اس کے شمالی ساحلوں پر زیادہ تر غیر ملکی باشندے آباد تھے، مثلاً عرب، ہندوستانی، یونانی جنھوں نے تجارت کی غرض سے وہاں بود و باش اختیار کر لی تھی، اس جزیرہ میں مخا (یمن) کے عرب تاجر چاول، گیہوں، ہندوستانی ململ، اور لونڈیوں کی تجارت کی غرض سے برابر آتے رہتے تھے، خیال ہے کہ سقوطرہ میں کبھی یونانی اور آسیرین دونوں قومیں آباد تھیں، ایک روایت یہ ہے کہ یونانیوں کو خاندان ٹالیمی (یہ یونانی بادشاہوں کا ایک خاندان تھا جس نے ۳۲۳ سنہ سے ۳۰ سنہ قبل مسیح تک مصر میں حکومت کی) کے فرمانرواؤں نے وہاں آباد کیا تھا، اور اسیریا والوں کو سکندر اعظم نے ان کے ملک سے نکال کر وہاں بھگا دیا تھا، ادریسی کا بیان ہے کہ سقوطرہ کی یونانی آبادی جزائر آئی اونین کے اُن باشندوں پر مشتمل تھی جنھیں سکندر اعظم نے ارسطو کے مشورہ کی بنا پر کچھ تو ایلوا (صبر سقوطری) کی کاشت اور کچھ زمین کی زرخیزی اور آب و ہوا کی خوبی کی وجہ سے منتقل کر دیا تھا، ایلوا کی کاشت تو وہاں ضرور کثرت سے ہوتی ہے، لیکن آب ہوا کے متعلق سکندر کی رائے مشکل سے تسلیم کی جائے گی، گمان غالب یہ ہے کہ ابتداءً وہاں کی نو آبادی ان لوگوں سے قائم ہوئی جو سکندر کی فوج کے پست ترین طبقہ میں تھے، یہ لوگ ان تاجروں سے مل گئے جنھوں نے جزیرہ کو اپنا مستقر

بنایا اور ممکن ہے کہ بعد میں وہ جرائم پیشہ اشخاص بھی اگر ان میں شامل ہو گئے ہوں جو یونان اور بحر روم سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے، بہرحال ابتدا جو بھی رہی ہو اتنا معلوم ہے کہ اس جزیرہ کے باشندے عہد عیسوی کے شروع میں یونانی یا اسیرین زبان بولتے تھے اور سب کے سب سیاہ فام تھے، آبادی کا بڑا حصہ مسیحی تھا، کچھ لوگ دوسرے مذہبوں کے بھی تھے، ابو الفدا ان سب کو "عیسائی اور بحری قزاق" بیان کرتا ہے، اس امر کی تصدیق کہ سقوطرہ کی مذہبی حالت بہت اچھی تھی اور وہ چھٹی صدی عیسوی تک نسطوری کلیسا کا ایک علاقہ بن چکا تھا اور کلیسائے فارس نے اپنا ایک اسقف بھی وہاں بھیجا تھا، نکولو کونتی (Nicolo Conti وینس کا ایک سیاح اور مصنف جو قریب ۱۴۱۹ء کے اپنے وطن سے روانہ ہوا اور ۲۵ سال تک سیاحت اور تلاش و تحقیق میں مصروف رہا) کے بیان سے بھی ہوتی ہے جس نے دو مہینے اس جزیرہ میں گذارے، وہ لکھتا ہے کہ پندرہویں صدی کی ابتدا میں وہاں کی آبادی کا بیشتر حصہ نسطوری عیسائی تھا،

لیکن سولھویں صدی میں مذہبی انحطاط شروع ہو گیا تھا، نہ صرف عوام بلکہ مذہبی پیشوا بھی بے پڑھے لکھے تھے، اگرچہ دوران نماز میں خوشبو وغیرہ سلگانے کا اہتمام مبالغہ کے ساتھ کیا جاتا تھا تاہم دعائیں ایک بھولی ہوئی زبان میں پڑھی جاتی تھیں جسے حاضرین کسی طرح سمجھ نہیں سکتے تھے،

سترھویں صدی میں لوگ بظاہر عیسائیت کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن حقیقۃً انھیں اس مذہب سے کوئی واقفیت نہ تھی، ان کا مذہب دراصل اسلام اور بت پرستی کے بعض ارکان کا ایک مرکب عقیدہ تھا، ان میں ختنہ کی رسم جاری تھی اور وہ شراب اور سور کے گوشت سے مذہباً پرہیز کرتے تھے، لیکن وہ ماہتاب کے لئے قربانیاں بھی کرتے تھے، امساک باران کی حالت میں قرعے ڈالتے تھے، اور اگر پھر بھی بارش نہ ہوتی تو جس بدقسمت کے نام قرعہ نکلتا اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے، ان کے گرجے گندے، نیچے، اور تاریک تھے، گرجوں میں قربان گاہ پر اب بھی صلیب اور شمع بدستور رہتی تھی، تین نمازیں ہر روز دن میں اور تین ہر رات میں ہوتی تھیں، جنمیں بہت سا خوشبودار سامان جلا دیا جاتا تھا، لیکن مذہبی پیشواؤں کا انتخاب اور تقرر عوام خود کرتے تھے، اور انھیں صرف ایک سال کیلئے

مقرر کیا جاتا تھا، علاوہ بریں بپتسمہ اور عشائے ربانی کے رسوم مفقود ہو چکے تھے،

آج سقوطرہ کا مذہب خالص اسلام ہے اور عیسائیت کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، علاوہ چند مستثنیٰ کے عموماً لوگ بے پڑھے لکھے ہیں، ان کے پاس دولت بھی نہیں ہے،

سقوطرہ کی تاریخ کے سیاسی پہلو پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدن کی اہمیت کے مقابلہ میں وہ ہمیشہ ناقابلِ اعتنا سمجھا گیا، صرف دو بار اس نے کسی قدر شہرت حاصل کی، ایک بار جب اہل پرتگال اول اول وہاں پہنچے اور دوسری بار جب دخانی جہاز چلنے لگے، لیکن دونوں مرتبہ اس کی شہرت چند سالوں سے زیادہ قائم نہ رہ سکی اور اس مدت کے ختم ہونے پر وہ پھر اپنی قدیم محکومی کی حالت پر واپس آگیا،

پہلی بار اس کے نمایاں ہونے کا سبب ایک حد تک اسکا مذہب تھا، اس میں شبہہ نہیں کہ پرتگال کے بادشاہ امانوئل (Emanuel) کو اس جزیرہ کا خیال اسکی تجارتی اہمیت کی بنا پر جو عدن اور بحر احمر کی قربت کی وجہ سے اسے حاصل تھی پیدا ہوا تھا لیکن اس میں مذہبی ہمدردی کو بھی دخل تھا جو وہاں کے عیسائی باشندوں کے ساتھ اُسے تھی، پرتگال کے بادشاہ کو مشرق کی بحری تجارت سے مسلمانوں کا عنصر خارج کرکے اس پر خود قابض ہو جانے کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا، اس کے اسباب چند در چند تھے، لیکن اجمالی طور پر یہ اس بغض و عناد کا نتیجہ تھا جو اسپین، پرتگال، اور مراکش میں مسلمانوں سے صدیوں کی جنگ نے پیدا کر دیا تھا، بہر حال قبل اس کے کہ انتقام کے اس جذبہ پر عمل درآمد شروع ہو ۱۵۰۳ء میں لوڈو ویکو ڈی وارتھیما (Ludovico devarthema) عدن میں اتر چکا تھا اور اس کے دو سال بعد ایک دوسرے مغربی سیاح ڈایوگو فرنانڈس پریرا (Diogo Fernandes Pereira) نے جزیرۂ سقوطرہ کو دریافت کرکے اس کی امکانی اہمیت کا اندازہ کر لیا تھا، وہاں کی عیسائی آبادی نے شاہ امانوئل کے زیر حفاظت آنے کی استدعا کی جسے امانوئل نے بخوشی منظور کرکے فوراً الفانسو ڈی البوکرک (Alfonso de Albuquerque) کو پانچ اور ٹرسٹاؤ ڈا کنہا، (Tristao da Cunha) کو گیارہ جہازوں کے ساتھ روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ خلیج فارس اور ہندوستان جانے

سے پہلے سقوطرہ کے مسلمانوں کو ان کے قلعہ سے نکال دیں، اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ۱۵۰۶ء کے ابتداء گرما میں مسلمانوں کے قلعہ پر گولہ باری کرکے اس پر قبضہ کر لیا گیا، مدافعین میں جنکی تعداد ایک سو پچاس تھی کچھ بھاگ گئے اور باقی قتل کر دیئے گئے، پرتگالیوں نے ایک جدید قلعہ اور ایک خانقاہ تعمیر کی اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے، ڈاکنہا نے یکم اگست ۱۵۰۶ء کو ہندوستان کے لئے لنگر اٹھایا اور البوکرک ہرمز اور خلیج فارس کی طرف روانہ ہوا، جزیرہ میں امن قائم رکھنے کے لئے سپاہیوں کا ایک دستہ چھوڑ دیا گیا تھا، لیکن جلد اسکی حالت بہت ابتر ہو گئی اور دوسرے سال جب خلیجِ فارس کی مسلسل ناکامیوں کے بعد البوکرک وہاں لوٹا تو اس نے دیکھا کہ سپاہی جنگلی پھلوں اور کھجور کے پتوں پر اپنی زندگی گذار رہے ہیں، ان سپاہیوں نے یہ معلوم کرکے ضرور اطمینان کی سانس لی ہوگی کہ شاہ پرتگال نے بالآخر سقوطرہ کو چھوڑ دینے اور بجائے اس کے عدن پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن اس ارادہ کے صرف ایک ہی ٹکڑے میں کامیابی ہوئی، پرتگالیوں نے ۱۵۱۱ء میں سقوطرہ کے قلعہ کو مسمار کرکے اپنا فوجی دستہ تو وہاں سے ہٹا لیا، لیکن عدن کا حملہ ناکام ہی رہا اور چار دن کے خونریز معرکہ کے بعد جو ایسٹر سنڈے ۱۵۱۳ء سے شروع ہوا تھا، پرتگالیوں کو شدید نقصان کے بعد شکست ہوئی اور پھر انھوں نے سقوطرہ اور عدن دونوں سے اپنا خیال ...

تین سو برس کی گمنامی کے بعد یہ جزیرہ ایک بار پھر نمایاں ہوا، دخانی جہازوں کے تجربہ کی مدت ختم ہو چکی تھی اور ۱۸۲۹ء تک ایسے مقامات کی ضرورت پیدا ہو گئی تھی، جہاں رک کر جہاز کوئلہ لے سکیں، چنانچہ اس غرض سے عدن پر نظر ڈالی گئی، لیکن مزدوروں کی قلت کی وجہ سے یہ مقام اس کے لئے مناسب نہیں سمجھا گیا، لہٰذا سلطان سقوطرہ سے اس معاملہ میں گفتگو شروع کی گئی، لیکن اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجاویز کو بعض وجوہ سے مسترد کر دیا، اس پر ہندوستانی پیدل فوج کے دو دستے ۱۸۳۴ء میں بمبئی سے سقوطرہ بھیجے گئے، تاکہ جزیرہ پر قبضہ کر لیں مگر پانچ ہی سال کے بعد عدن پر قبضہ ہو گیا، اس درمیان میں وہاں مزدوروں کی دقت بھی بہت کچھ رفع ہو چکی تھی، لہٰذا فوج کے دونوں دستے اب سقوطرہ سے ہٹا لئے گئے اور جہازوں کے لئے کوئلہ کی رسد رسانی عدن کو منتقل کر دی گئی، سقوطرہ پھر حالت گمنامی میں پڑ گیا،

اس وقت سے آج تک اس جزیرہ میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا، اس کی آبادی پانچ ہزار ہے جس کا بیشتر حصہ عربی النسل ہے، ایلوا کی کاشت وہاں کے باشندوں کا خاص پیشہ ہے، اس کے علاوہ کھجور سے یہ لوگ ایک قسم کا گہرے سرخ رنگ کا عرق تیار کرتے ہیں جو دانتوں کے لئے مفید ہوتا ہے اور رنگسازی کے کام میں بھی آتا ہے، یہ جزیرہ اب بھی حکومت برطانیہ کے زیر نگرانی ہے اور ۱۸۸۶ء کے معاہدہ کی رو سے وہاں کے شیخ نے ایک متعین سالانہ رقم کے معاوضہ میں اپنے کو اس بات کا پابند کر لیا ہے کہ وہ کسی غیر طاقت کو جزیرہ حوالہ نہیں کریگا اور نہ بغیر منظوری حکومت برطانیہ کسی دوسری حکومت سے کسی قسم کے تعلقات قائم کرے گا، "ع ز"

معارف :- اس جزیرہ کو یہاں یونانیوں کی آمد سے پیشتر عرب و ہند کے تاجروں کا مقام اتصال کہا جا سکتا ہے، عرب جغرافیہ نویس اسے سقوطرہ، اور سقطری دونوں نام سے یاد کرتے ہیں، یاقوت کے بیان کے مطابق یہاں یونانیوں سے پہلے ہندوستانی آباد تھے، یونانیوں کی سب سے پہلی نوآبادی، اسکندر کے زمانہ میں ارسطو کی تحریک سے قائم ہوئی، اسکندر جب شام پر حملہ آوری کے لئے جا رہا تھا، تو ارسطو نے اُسے اس جزیرہ کی طرف توجہ دلائی، اور اس نے ایک یونانی گروہ کو یہاں آباد کیا، جس نے ہندوستانیوں کو یہاں سے باہر نکال دیا اور جلاوطن ہندوستانی اپنا عظیم الشان بت بھی جسے اہمیت حاصل تھی، اس جزیرہ سے سرزمین ہند میں منتقل کر لائے، سمجھا جاتا ہے کہ اس جزیرہ میں یونانیوں کا یہ قبضہ ہندوستان اور مصر میں بحری تجارت قائم کرنے کیلئے تھا،

اس کے بعد انہی یونانیوں نے عیسائیت قبول کر لی، پھر یہاں ایک دوسری عیسائی قوم "مہرہ" کا ظہور ہوتا ہے جو یونانی عیسائیوں کے اثرات کو یہاں سے فنا کرتے ہیں، اور اس کے بعد اسلام کے اثرات پہنچتے ہیں اور انہی قبیلہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں مقابلہ ہوتا ہے، مسلمان ابتداءً مغلوب ہوتے ہیں، اور وہ وقت قریب آتا ہے کہ اسلام کا نام و نشان یہاں سے مٹ جائے، لیکن اس جزیرہ کے یمن سے قریب ہونے کے باعث مسلمانوں کی آمد و رفت تجارتی ذرائع سے بڑھتی ہے، اور رفتہ رفتہ مسلمان اس جزیرہ میں چھا جاتے ہیں، اور قبائلی طرز کی اسلامی حکومت یہاں قائم رہتی ہے یہاں تک کہ یورپین قومیں ہندوستان کے بحری راستہ کو جب دریافت کر لیتی ہیں، تو ایک بندرگاہ کی حیثیت

سے اس جزیرہ کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے، اور وہ حوادث پیش آتے ہیں، جو مقالہ نگار نے بیان کئے ہیں،

افسوس ہے کہ مقالہ نگار نے جزیرہ کے مسلمانوں کے معاشرتی و تعلیمی حالات پر روشنی نہیں ڈالی، "ض"

تہذیب و تمدن کی ترقی کیساتھ جنگ و جدال میں اضافہ

رسالہ لٹریری ڈائجسٹ امریکہ کے ایک مضمون میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ جنگ کی تخفیف کے امکانات کہاں تک ہیں، مضمون کسی "رجعت پسند" اور "تاریک خیال" مشرقی کے قلم سے نہیں بلکہ "تہذیب و ترقی" کے قائد اعظم "روشن خیال" امریکہ کے دو فاضل عمرانیات کی تحقیق کا نتیجہ ہے، اخلاق و مذہب سے قطع نظر کرکے خالص مادی حیثیت سے بھی دیکھئے تو تہذیب مغرب کے یہ ثمرات آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں،

کیا جوں جوں قومیں زیادہ مہذب ہوتی جاتی ہیں، جنگ و جدال میں بھی تخفیف ہوتی جاتی ہے؟ بہتیرے فلسفیوں کا یہی خیال ہے، لیکن ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے دو فاضل عمرانیات، پروفیسر سوروکن (Soro-kin) اور پروفیسر نکولس گولووِن (Nicholan Golovin) سائنس کے نقطۂ نگاہ سے اس مسئلہ پر غور کرکے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آئندہ جنگیں جو ماضی کی تمام جنگوں سے زیادہ ہولناک ہونگی صرف کسی معجزہ ہی سے روکی جا سکتی ہیں، قوموں کی ترقی کے ساتھ ساتھ جنگوں میں تخفیف کے بجائے تعداد اور شدت کے اعتبار سے اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، چنانچہ ابتدائے عہد تاریخ سے لے کر اس وقت تک سب سے زیادہ خونریز جنگ اسی صدی میں پیش آئی ہے، پروفیسر سوروکن اور پروفیسر گولووِن اس نتیجہ پر ان تمام جنگوں کا مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے ہیں جو ۵۰۰ سنہ قبل مسیح سے ۱۹۲۵ء تک تقریباً ڈھائی ہزار سال کی مدت میں یورپ میں پیش آچکی ہیں، اس مدت میں یونان، روما، وسطی یورپ، جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیہ عظمیٰ، اسپین، ہالینڈ و بلجیم اور روس میں (۹۰۲) بڑی بڑی جنگیں ہوئیں، چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا شمار نہیں،

انہیں سے ہر جنگ کا پانچ نقطہ ہائے نگاہ سے مطالعہ کیا گیا ہے:- (۱) مدت جنگ (۲) مبارزین کی کثرت تعداد (۳) مقتولین و مجروحین کی تعداد (۴) ان ممالک کی تعداد جو شریک جنگ ہوئے، (۵) شریک جنگ ممالک کی مجموعی آبادی میں مبارزین کا انتخاب،

ان تمام جنگوں کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں سترہوین صدی تک جنگیں بہت کم ہوا کرتی تھیں، سترھویں صدی سے ان میں دفعۃً بہت زیادہ اضافہ ہوگیا، جو اٹھارہویں صدی میں بدستور قائم رہا، انیسویں صدی میں جنگیں بہت کچھ رکی ہوئی تھیں، اگرچہ اس زمانہ میں بھی قرون وسطی کے مقابلہ میں ان کا تناسب سوگنا تھا، لیکن موجودہ صدی کی ابتدار میں وہ جس حد تک پہنچ گئیں اس کی کوئی مثال ماضی میں نہیں ملتی، یہ جنگیں اپنی وسعت اور شدت کے اعتبار سے ان تمام جنگوں کے مجموعہ سے بڑھ گئیں جو گذشتہ صدیوں میں مذکورہ بالا ممالک میں ہو چکی تھیں، یہ صورت حال اس نظریہ کی پوری طور پر تردید کرتی ہے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ جنگین غائب ہوتی جاتی ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں جنگ کے غائب ہو جانے کی جو امیدین قائم کی جارہی ہیں وہ معجزات پر امید قائم کرنے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں،

ان دونوں پروفیسروں نے یورپ کی جنگوں کے عمومی اور مجمل مطالعہ کے ساتھ ساتھ علیحدہ علیحدہ ہر ملک کی مختلف جنگون کا بھی مطالعہ کیا ہے اور ۵۰۰ قم سے ۱۹۲۵ء تک ہر ملک میں جو اندرونی خلفشار، ہنگامے اور انقلابات برپا ہوتے رہے ان سب کا شمار بھی کیا ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ جنگوں کی وسعت اور شدت ہر صدی میں ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہوتی آئی ہے، چنانچہ بارہویں صدی میں اس اعتبار سے پہلا نمبر روس کا اور دوسرا آسٹریا کا تھا، تیرہویں صدی میں پہلا نمبر روس کا اور دوسرا فرانس کا تھا، چودہویں میں انگلستان اور روس کا پندرہویں میں آسٹریا اور انگلستان کا، سولھویں میں آسٹریا اور اسپین کا، سترہویں میں آسٹریا اور فرانس کا، اٹھارہویں میں آسٹریا اور فرانس کا انیسویں میں فرانس اور روس کا اور بیسویں میں جرمنی اور روس کا،

انفرادی طور پر ہر ملک میں جنگ کی شدت میں نہ تو برابر اضافہ ہی ہوتا رہا ہے، اور نہ تخفیف ہی بلکہ کبھی زیادہ ہوتی گئی ہے اور کبھی کمی، یورپ کے اکثر ممالک میں جنگوں کی کثرت و شدت توسیع مملکت کیساتھ ہی ساتھ ہوئی ہے، خصوصاً جب اپنی فوجی اور اقتصادی قوت اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے یہ ممالک اپنے انتہائے عروج پر تھے،

"ع ز"

اخبار علمیہ

خون کے امتحان سے ولدیت کی تعین،

خون کے امتحان سے ولدیت کی تعیین کا سائنٹفک طریقہ حال مین نیویارک (امریکہ) کی عدالت عالیہ نے بھی تسلیم کرلیا ہے، یورپ کے نو ملکون کی عدالتون مین اس طریقہ پر عمل درآمد پہلے سے ہوتا آرہا ہے، جرمنی کی عدالتین تو سنہ ۱۹۲۴ء سے اس پر عمل کررہی ہین، اس سائنٹفک طریقہ کی اہمیت کا سبب یہ ہے کہ مغرب کی اکثر ناکتخدا مائین کسی ایک شخص کو اپنی ناجائز اولاد کا باپ قرار دیکر عدالت کے ذریعہ سے اسے بچہ کی پرورش کا ذمہ دار بنانا چاہتی ہین، چنانچہ گذشتہ چند سالون کے اندر جرمنی، آسٹریا، ڈنمارک، سوئڈن، ناروے، سوئزرلینڈ اور لتھوانیا مین اس قسم کے تقریباً دس ہزار مقدمات مین خون کا امتحان کیا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ جن اشخاص پر ولدیت کا الزام لگایا گیا تھا ان مین سے ۸ فی صدی سے زیادہ جرم سے بری ثابت ہوئے، ولدیت کی تعیین کے اس طریقہ کا انکشاف ڈاکٹر کارل لینڈس ٹائنر (Karl Landsteiner) نے اب سے تیس سال قبل کیا تھا، جس کے معاوضہ مین انھین سنہ ۱۹۳۰ء مین طب کا نوبل انعام دیا گیا، ڈاکٹر موصوف پہلے شخص ہین جنھون نے ثابت کرکے دکھایا کہ انسانی خون کی عموماً چار قسمین ہوتی ہین، جو بین الاقوامی طور پر اقسام A، O، B AND A.B. کے نام سے مشہور ہین، جلد کے رنگ اور دوسری خصوصیات کی طرح یہ اقسام بھی وراثۃً منتقل ہوتے ہین، اگر بچہ اور ماں کے خون کے اقسام معلوم ہون تو ایک سائنس دان یہ بتا سکتا ہو کہ باپ کے خون کی قسم کیا ہوگی، اگر کسی شخص پر ناجائز ولدیت کا الزام ہو اور امتحان کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ

اس کا خون کسی مختلف قسم کا ہے، تو خود بخود وہ الزام سے بری ہو جائیگا، خون کے امتحان کا یہ طریقہ یورپ مین جرائم کی تفتیش مین بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ اکثر اوقات یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ملزم کے کپڑون پر خون کے جو دھبے ہین وہ مقتول ہی کے خون کے ہین، یا خود ملزم یا کسی جانور کے خون کے، ڈاکٹر لینڈس ٹائنر کی تحقیق کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ایک شخص کے خون کو دوسرے شخص کے جسم مین کامیابی کے ساتھ داخل کر دینا ممکن ہو گیا، سنہ ۱۹۰۰ء سے قبل اطبائے اکثر یہ تجویز پیش کی تھی اور کبھی کبھی اسکو آزمایا بھی تھا، لیکن بہت کم اسمین کامیابی ہوئی، اور بیشتر صورتون مین مریض جلد ہی فنا ہو گیا، لیکن ڈاکٹر موصوف کی تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ اگر مریض کے جسم مین خود اسی کے خون کی قسم کا خون داخل کیا جائے تو کوئی خطرہ نہین رہتا، اقسام کی تعیین کیلئے خون کے صرف دو قطرے کافی ہوتے ہین، جنگ عظیم کے دوران مین اس طریقہ پر عمل کرنے سے ہزارون جانین تلف ہونے سے بچ گئین، آج امن کی حالت مین بھی اس پر برابر عمل ہو رہا ہے، اور صرف شہر نیویارک مین اس کا اوسط دس ہزار سالانہ ہے، بہت سے شہرون مین مریضون کے لئے اپنا خون دیدینا لوگون کی آمدنی کا معقول ذریعہ بنگیا ہی، اور لوگ اپنے مخصوص پیشون کے علاوہ اسکی تجارت بھی کرنے لگے ہین،

بنگال کے مسلمانون کی تعلیمی ترقی،

صوبہ بنگال کی پنج سالہ تعلیمی رپورٹ (سنہ ۱۹۲۷-۳۲ء) سے جس کے اقتباسات اسٹیٹسمین مورخہ ۹ مارچ سنہ ۱۹۳۴ء مین شائع ہوئے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ باوجود مختلف دشواریون اور رکاوٹون کے تعلیم اور خصوصًا ابتدائی تعلیم مین کافی ترقی ہوئی ہے، سنہ ۱۹۲۷ء سے سنہ ۱۹۳۲ء تک کا زمانہ فرقہ وارانہ فساد، سیاسی ہنگامہ، اور اقتصادی کساد بازاری کا زمانہ تھا، اور ان سب کا اثر تعلیم پر پڑتا رہا، تاہم بنگال کے مسلمانون نے اس مدت مین بہت نمایان ترقی کا ثبوت دیا، سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء مین مسلمان طلبہ کی تعداد کا اوسط (۵ر۳) تھا، سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء مین یہ اوسط (۲ر۲) فی صدی ہو گیا، دوسرے فرقون کے مقابلہ مین اونکی ترقی کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے ہو گا:-

	سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء	سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء	سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء
یوروپین	۹۴۴۳	۹۶۱۰	۹۷۲۱
ہندوستانی عیسائی	۱۳۵۱۷	۱۳۵۸۸	۱۵۹۳۴
اونچ طبقہ کے ہندو	۸۸۲۴۲۵	۸۲۳۳۲۳	۸۶۱۰۳۴
نیچ طبقہ کے ہندو	۸۲۸۵۲	۳۴۴۱۷۹	۴۴۰۱۴۰
مسلمان	۸۸۰۶۷۵	۱۱۴۰۱۴۰	۱۴۳۷۹۷۸
بودھ	۹۵۶۵	۱۰۰۰۵	۱۳۱۵۷
دوسرے فرقے	۱۳۶۶۴	۲۵۳۵	۵۳۴۷
	۱۸۹۲۱۴۱	۲۳۴۳۳۸۰	۲۷۸۳۲۲۵

صوبہ بنگال مین مسلمانون کی آبادی (۸ر۵۴) فی صدی ہی، وہان کے مسلمان طلبہ کا تناسب دوسرے طلبہ کے مقابلہ مین (۶ر۵۱) فی صدی ہے، ان کی تعلیمی ترقی کی تفصیل اعداد ذیل سے معلوم ہوتی ہی،

	سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء	سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء
کالج	۴۳۰۵	۳۵۵۹
ہائی اسکول	۱۶۰۵۸	۲۴۱۵۲
مڈل اسکول	۱۸۵۷۴	۳۰۳۴۳
پرائمری اسکول	۹۹۵۰۳۰	۱۲۵۸۷۴۶
مخصوص مدارس	۷۵۲۷۰	۸۹۵۷۸
دیگر مدارس	۳۰۹۰۳	۳۱۵۹۹
	۱۱۴۰۱۴۰	۱۴۳۷۹۷۸

خودکشی اور عقیدۂ باری تعالیٰ

نیویارک مین ایک انجمن قومی انجمن تحفظ نفوس انسانی (NATIONAL SAVE A LIFE LEAGUE) کے نام سے قائم ہے، اس کا کام یہ ہے کہ جو لوگ خودکشی پر آمادہ ہون، ان کو بھی سمجھا کر اس فعل سے باز رکھے، چنانچہ اب تک اوس نے ایک ہزار سے زیادہ آدمیون کو اپنے تئین ہلاک کرنے سے باز رکھا ہے، اس کی سنہ ۱۹۳۲ء کی رپورٹ کے حوالہ سے رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ خودکشی کا قصد رکھنے والون مین سے جن اشخاص سے انجمن کے اراکین نے گفتگو کی تھی ان مین صرف دو ایسے تھے جنھون نے مشورہ قبول کرنے سے انکار کردیا تھا، اور بعد مین اپنے کو ہلاک کردینے کی کوشش بھی کی لیکن وہ اپنی کوشش مین کامیاب نہ ہو سکے اور دوبارہ انھون نے اس کا قصد نہین کیا، اس انجمن کے بانی اور صدر ڈاکٹر ہنری وارن (HENRY WARREN) ہین انکی نائب مس لونا بونل (MISS LONA BONNEL) بیان کرتی ہین کہ خودکشی کا قصد رکھنے والون کو اگر اپنے دل کا حال کہنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی تمام دشواریون کو بیان کر جاتے ہین، اور ایسی باتین کہہ جاتے ہین جنھین وہ اپنے اعزا سے بھی کہنے مین تامل کرتے ہین، مس صاحبہ فرماتی ہین، "ہم اون کی بہت سے طریقون سے مدد کرتے ہین لیکن خاص طور پر ہم روحانیت پر زور دیتے ہین، جب ہم اون کے دلون مین خدا کا سچا عقیدہ پیدا کردیتے ہین تو سمجھ لیتے ہین کہ اب وہ محفوظ ہین" تہذیب حاضر کے سب سے بڑے علمبردار امریکہ مین بھی عقیدۂ باری تعالیٰ کی یہ حیرت انگیز اثراندازی اپنے اندر بہت کچھ عبرت وبصیرت رکھتی ہے جس سے مغرب ومشرق کا "روشن خیال" طبقہ یکسان فائدہ اٹھا سکتا ہے، ڈاکٹر وارن کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اراکین نے انجمن کے دفتر مین (۲۸۱۶) آدمیون سے خودکشی کے موضوع پر گفتگو کی (۱۰۸۴) ایسے خاندانون مین گئے جہان خودکشی ہو چکی تھی اور (۲۱۶۸) ایسے گھرون مین جہان اس کے ارتکاب کی کوشش کی گئی تھی،

"ع ن"

ادبیات

خونِ جگر

از حضرت جگر مرادآبادی،

خار کو گل، اور گل کو خار جو چاہے کرے — تو نے جو چاہا کیا، اے یار جو چاہے کرے

مست وبے خود، عاقل وہشیار جو چاہے کرے — شوخیِ طرزِ نگاہِ یار جو چاہے کرے

اس نے یہ کہکر دیا دل کو فریبِ جستجو، — حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے

تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہین — آپ کی اک حسرتِ دیدار جو چاہے کرے

ہر حقیقت حسن کی ہے، بے نیاز اعتراف
اب کوئی اقرار یا انکار جو چاہے کرے

صدقِ مقال

از جناب صدق جائسی

پاؤ گے اسی کی نگہ ہوشربا مین، — تاثیر ہے اے صدق دوا مین نہ دعا مین

ممتاز وہ کشتے ہین شہیدانِ وفا مین — سر جن کے کٹے سجدۂ نقشِ کفِ پا مین

جذبِ دلِ بلبل کا اثر تم نے بھی دیکھا — دامن کوئی بے چاک نہین گل کی قبا مین

یہ بھی مرے نزدیک اک اندازِ جفا ہے — اقرارِ تغافل ہے اسے عذرِ جفا مین

سن لے جو کوئی شیخ کی باتون کو تو جانے حضرت کو بھی کچھ دخل ہو درگاہِ خدا مین

سرمے نے بڑھا دی نگہِ ناز کی تاب اور یہ آب نہ پہلے تھی کبھی تیغِ جفا مین

ملنا تو کجا آنکھ ملاتا نہین لیکن، ظالم کے یہ انداز بھی داخل ہین ادا مین

قطعہ

محکوم مشیت ہے ہر انسان کی تقدیر بندے کا نہین زور کچھ احکامِ قضا مین

باوصف ستم تم تو ہوئے شہرۂ آفاق گمنام وفاؤن پہ ہون مین اہلِ وفا مین

قطعہ

اترا نہ بہت ہستی موہوم پہ غافل کچھ اس کی حقیقت نہین چشمِ حکما مین

ترکیب عناصر مین خلل آگیا جس دن جز خاک ہے کچھ آگ نہ پانی نہ ہوا مین،

ناقدریِ احباب کدورت کا گلہ کیا، اے صدق مرا گھر ہے دلِ اہلِ صفا مین

حسنِ بیان

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش ایم اے، ایم او، ایل، لکچرار گورنمنٹ کالج ملتان

بھر آج سجدہ طلب کوئی نقشِ پا نہ ملا سرِ نیاز کو کھنچنے کا پھر بہانہ ملا،

مجل ہے طائر رنگ پریدۂ ہستی، رہا قفس ہی سلامت نہ آشیانہ ملا،

ہوائے جنبش دامن کا ذکر کیون چھیڑا چراغِ عمر کو گل ہونے کا بہانہ ملا،

نگاہِ مست ملی کیا کہ جام ہاتھ آیا، ہوئی جو پاؤن کو لغزش شرابخانہ ملا

غضب تھا پردۂ خودداری حرم اٹھنا ہوئی یہ خبر کہ بت خانے مین خدا نہ ملا،

ہزار رنگ سے بجلی چمک چمک کے گری جو میرے حصے کا خرمن مین ایک دانہ ملا

سوا تمھارے نہین کچھ کتابِ فطرت مین کہ جس ورق کو ٹٹولا یہی فسانہ ملا

تپش فضول ہے بیگانگی کا ان کی گلہ،

ہمین تو آئینہ بھی صورت آشنا نہ ملا.

رباعیاتِ توحید

از جناب مولوی حکیم امداد حسین صاحب توحید، ندوی، سیالکوٹ

در عالم خار و گل بسے خوار شدیم در ہر چہ شدیم سخت بیزار شدیم

فرعون شدیم غرقہ گشتیم بہ نیل منصور شدیم بر سرِ دار شدیم،

در وادی دہر نیست آبے پیدا ہر جا کہ نظر دود سرابے پیدا

ما تشنہ لبیم و ماہی بے آبیم، در دا کہ شود نشان آبے پیدا

اے عقل بدین فروش دین را دریاب دین است یقین بیا یقین را دریاب

بگذار رسوم ترک تقلید بگیر بازآ ز فلک تو این زمین را دریاب

رحمے بمنِ سوختہ کار افتادن، از تابشِ اندوہ بنار افتادن،

برخود بجہان چرا نہ پیچم توحید در دست بجائے یار مار افتادن

لغاتِ جدیدہ

بیس ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری یعنی لغت، قیمت عیر

باب التقریظ والانتقاد

تغلق نامہ

شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ لال ٹیکری، حیدر آباد دکن ضخامت مقدمہ ۹۳ صفحے و ضخامت متن ۱۵۱ صفحے،

قیمت مجلد چار روپے، بیرون ہند چھ شلنگ،

تغلق نامہ، حضرت امیر خسرو دہلوی کی آخری فارسی مثنوی کا نام ہے، اس مین شاعر نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے قتل خسرو خان کی چند روزہ بادشاہی، اور پھر سلطان غیاث الدین تغلق کی فتح اور تخت نشینی کے حالات درج کئے ہین، امیر کی یہ مثنوی نہ صرف آخر عمر کے نمونۂ کمال کی حیثیت سے بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی اہم چیز تھی، مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کا کامل نسخہ مدت سے مفقود تھا، اکبر کے زمانہ مین بھی اس کا جو نسخہ علامہ فیضی کو ملا تھا اوس کے اول و آخر کے اجزا ساقط تھے اور اون کو خبر ملی تھی کہ راجہ علی خان فاروقی والی خاندیس کے ہان اوس کا کامل نسخہ موجود ہے، معلوم نہین یہ خبر کہان تک درست تھی، شبہ اس سے پیدا ہوتا ہے کہ اکبر کے بعد جہانگیر نے اپنے زمانہ مین اپنے عہد کے حیاتی شاعر کو اوس کے گم شدہ اوراق کے مضامین کو دوبارہ نظم کر دینے کی خدمت سپرد کی تھی، جس کو اوس نے بحسن وخوبی انجام دیا، اور انعام پایا،

نواب حاجی اسحق خان مرحوم نے علی گڈھ مین تصانیف خسرو کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا، اسی تقریب سے خسرو کی تصانیف کی تلاش کا کام جاری تھا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی کے کتبخانہ مین جو فارسی نوادر کا خزانہ ہے، جہانگیر نامہ کے نام سے حیاتی کی ایک مثنوی موجود تھی، جس کی نسبت یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ خسرو کے تغلق نامہ کے جواب مین حیاتی کی مثنوی ہے، مگر مولانا رشید احمد صاحب سالم مرحوم نے اس نسخہ کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ حیاتی کے اس مین چند صفحے ہین، بقیہ پوری مثنوی خسرو کا تغلق نامہ ہے، مرحوم نے اس دعوی پر متعدد دلائل پیش کئے جن سے یہ خیال درجۂ یقین

کو پہنچ گیا، موصوف نے اس مثنوی کی تصحیح کی اور اس پر ایک مقدمہ لکھا، انھون نے اپنے مرض الموت مین جس مین انھون نے وفات پائی، اپنا یہ مصحح نسخہ مجھے دکھایا تھا اور خواہش کی تھی کہ یہ دار المصنفین کی طرف سے شائع ہو، مگر ع آن قدح بشکست و آن ساقی نماند ان کی وفات کے بعد اون کے ایک عزیز نے ایک آدھ دفعہ لکھا بھی، لیکن قسمت الٰہی کا فیصلہ تھا، کہ یہ کام اس سے بہتر طریقہ سے انجام پائے، اس لئے یہ سعادت "مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد دکن کے حصہ مین آئی،

"مجلس مخطوطات فارسیہ" کے نام سے حیدر آباد دکن مین چند فضلاء کی ایک انجمن قائم ہوئی ہے، جس کی طرف سے فارسی قلمی کتابون کی اشاعت وقتاً فوقتاً ہوتی رہیگی، سرکار نظام ثبت اللہ ملکہٗ نے اپنی قدردانی سے اسکی مالی اعانت منظور فرمائی ہے، اس کے سکریٹری فاضل صاحب قلم مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی اور صدر نشین نواب سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر اور ارکان نو دیگر فضلاے دکن ہین،

اس مجلس کے سلسلہ مطبوعات مین یہ تغلق نامہ پہلا مطبوعہ ہے، اس مثنوی کی تصحیح و تحشیہ اور مقدمہ کا جو کام مصحح و محشی اول مولانا رشید احمد صاحب سالم مرحوم سے رہ گیا تھا اوس کو مولوی سید ہاشمی صاحب نے پورا کیا ہے، اور اپنا ایک مستقل دیباچہ اس کے اوپر اور بڑھایا ہے، یہ دیباچہ دسمبر ۱۹۳۲ء کے معارف مین شائع ہو چکا ہے،

مثنوی پر موجودہ مقدمہ تین حصون پر منقسم ہے، دیباچہ، بقلم سید ہاشمی صاحب (از ۱ تا ۲۴) خلاصۂ مثنوی بقلم سید ہاشمی صاحب (از ۲۵ تا ۲۷) مقدمہ ناتمام مولانا رشید احمد صاحب (از ۲۸ تا ۹۳) اس کے بعد ۱۵۱ صفحون مین اصل مثنوی تغلق نامہ ہے، کل دو ہزار نو سو بیس شعر ہین، تغلق نامہ کا جو نسخہ دسوین صدی مین حاجی خلیفہ چلپی صاحب کشف الظنون کے علم مین تھا، اس مین تین ہزار شعر تھے، جیسا کہ اوس نے کشف الظنون مین لکھا ہے، اس دریافت شدہ نسخہ کے آخر سے بھی کچھ صفحے غائب ہین، چنانچہ اس کے آخر مین جو ترک ہے، اوس مین "زہے" کا لفظ لکھا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب شدہ صفحہ کے اول مین جو شعر تھا وہ "زہے" سے شروع ہوتا تھا،

مقدمہ مین مثنوی کے متعلق ضروری مباحث پر پوری تحقیق کی گئی ہے، اور تغلق نامہ کے اون متفرق شعرون کے ذریعہ سے جو کتب لغات مین تغلق نامہ کے حوالہ سے پیش کئے گئے ہین، اور وہی اس نسخہ مین ہین، یہ بات بے شک و شبہ ثابت کر دیگئی

ہے کہ یہ تغلق نامہ ہی ہے، جس کے شروع میں جہانگیر کے حکم سے حیاتی نے حمد و نعت و تمہید کے ۵۰ اشعر بڑھائے ہیں،

کتاب ٹائپ میں، صاف اور عمدہ چھپی ہے، ابیات پر نمبر لگادیئے گئے ہیں، کہیں کہیں لغات کا حل اور حواشی ہیں مجلس مذکور اپنی اس پہلی کوشش پر مبارک باد کی مستحق ہے، "س"

تذکرۂ مجموعۂ نغز

"شائع کردہ شعبۂ مشرقیہ پنجاب یونیورسٹی، ضخامت ۴۱۲ صفحے مصحح پروفیسر حافظ محمود خان شیرانی، لاہور"

خوشی کی بات ہو کہ ادھر چند سال سے اردو شعراء کے دلچسپ تذکرے چھپ چھپ کر شائع ہو رہے ہیں، اسی سلسلہ میں "مجموعۂ نغز" نام ایک اہم تذکرہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیہ نے چھاپ کر شائع کیا ہے، اس تذکرہ کے مؤلف کا نام حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ ہے، اور تخلص قاسم ہے، جس نے ۱۲۲۱ھ میں اپنا یہ تذکرہ تکمیل کو پہنچا دیا،

اس تذکرہ کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ ہماری زبان کے نامور انشا پرداز مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور تصنیف آبحیات کا سب سے بڑا ماخذ یہی تذکرہ ہے، چنانچہ آبحیات کے وہ چند واقعات و حکایات جو دوسرے مستند تذکروں میں مذکور نہیں، وہ اس تذکرہ میں ہیں،

اس کتاب کے مصحح حافظ محمود خان شیرانی ہیں، جو اگرچہ کسی مشرقی یا مغربی یونیورسٹی کے سند یافتہ نہیں تاہم اپنی ذاتی صلاحیت و استعداد اور تلاش و محنت اور ذوق علم کی بنا پر اپنی اہلیت کی وہ سند رکھتے ہیں، جو ہزار ہا کاغذی سندوں سے بالاتر ہے، اور اسی لئے پنجاب یونیورسٹی کے ارکان نے اون کو اپنی یونیورسٹی کا اردو لکچرر بنا کر صحیح انتخاب کی پسندیدہ مثال پیش کی ہے،

موصوف نے اس سے پہلے "پنجاب میں اردو" لکھکر اپنی اہلیت کی بہترین سند پیش کی ہے، اس کے بعد اردو کی تاریخی اور لغوی تحقیقات پر جو مقالات اور مضامین وہ برابر شائع کر رہے ہیں، اون میں سے ہر ایک اون کی تلاش و محنت اور وسعتِ نظر کی دلیل ہے،

موصوف نے اس تذکرے کے ایڈٹ کرنے میں بھی پوری محنت صرف کی ہے، متعدد نسخوں سے مقابلہ کیا ہے الفاظ کی تصحیح کی ہے، حواشی لکھے ہیں متعدد فہرستیں اور اشاریے درج کئے ہیں، شروع میں مفید مقدمہ لکھا ہے، اون کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ کتاب آیندہ اردو کے محققوں اور اردو شعراء کے حالات کے ڈھونڈھنے والوں کے لئے بہترین حوالہ کا کام دیگی، میر ابو القاسم قدرت اللہ کا یہ تذکرہ حروف تہجی پر مرتب ہے اور چہ سو ترانوے اردو شعراء کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے، اکثر شعراء کے اخلاق و عادات اور شاعری پر حرف گیری بھی کی گئی ہے، چنانچہ آبحیات میں میر اور دلی اور شاہ نصیر وغیرہ کے متعلق جو قابل اعتراض فقرے ہیں، وہ دراصل اسی تذکرے سے ماخوذ ہیں، اس لئے اب یہ اعتراضات مولانا آزاد پر نہیں، بلکہ حکیم قدرت اللہ قاسم پر ہوں گے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ شاعری میں حکیم صاحب کا مرتبہ بلند نہیں، اس لئے استادانِ وقت اون کو وہ درجہ نہیں دیتے تھے، جس کے وہ اپنے دل میں مدعی ہوں گے، چنانچہ میر اور شاہ نصیر کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اس بدگمانی کی تصدیق ہوتی ہے،

تذکرہ کی زبان اوس زمانہ کے دستور کے مطابق فارسی ہے، سنین کے لکھنے سے بھی تغافل برتا گیا ہے، کہ اہل عصر کے لئے، اوس زمانہ میں اس کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی، لیکن غنیمت یہ ہے کہ اس سے اس زمانہ کے رسم و رواج، مجالس کے رنگ ڈھنگ اور ملنے جلنے کی کیفیت بہت حد تک معلوم ہوتی ہے،

امید ہے کہ یہ تذکرہ اہل سخن اور اربابِ تاریخ دونوں کی دلچسپی کا سامان بنے گا۔ "س"

ترانہ

شائع کردہ "اردو بک اسٹال" بیرون لوہاری دروازہ، لاہور، چھوٹی تقطیع، لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ قیمت ۱۲؍

مرزا یاس عظیم آبادی اردو کے مشہور اور بلند فکر شعراء میں ہیں، لیکن چونکہ طبیعت میں تعلی حد سے زیادہ ہے، اس لئے کبھی معاصرین سے اون کی نہیں بنتی، لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں بڑا ہنگامہ برپا رہا، جس کی بنا پر وہ لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور ہوئے، انھیں ہنگاموں کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ یاس کے ساتھ پہلے یگانہ بطور صفت اضافہ کیا، اور اب چند سال سے لفظی تعلی کی خاطر برا نام تخلص

چھوڑ کر یگانہ تخلص اختیار کیا، اور چونکہ شادی لکھنؤ مین کی ہے، اس لیے اب عظیم آبادی کے بجائے لکھنوی ہو گئے ہین، [illegible]

اپنی آیات وجدانی مین اپنے پدری و مادری نسب نامون کے ساتھ سسرالی نسب نامہ بھی شائع کیا ہے، انسلا مرزا ہین

جو مغلون کا لقب ہے، اور ہر مغل اون کے خیال مین چنگیز کی اولاد ہے، اس لئے اب چنگیزی کی نسبت بھی نام کے ساتھ [illegible]

ہوئی ہے غرض ہمارے پرانے یاس عظیم آبادی، سالہا سال کی مسلسل ترقی کے بعد اب مرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی ہین،

زیر نظر کتاب جس کا نام ترانہ رکھا گیا ہے مرزا صاحب کی رباعیات کا مجموعہ ہے، شروع مین "غلط الٰہ" کے عنوان سے

مختصر دیباچہ ہے، جس مین اپنے مجموعۂ رباعیات کے بجائے اپنے اور اپنی "بیگم" کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے، اس پہلو کو [illegible]

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مرزا یاس یگانہ اپنے وقت کے ایک کامل شاعر ہین، اون کے خیالات بلند، زبان

صاف ستھری، ترکیبین چست اور کلام حشو و زوائد سے پاک ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ لکھنؤ کے طرزِ شاعری مین اون کے ہنگامون

کے باعث مفید انقلاب پیدا ہوا ہے،

ترانہ چھوٹی تقطیع کے ۱۰۴ صفحون پر ہے، اور ہر صفحہ پر جلی قلم مین ایک رباعی ہے، اس طرح دیباچہ کے ۴ صفحون کو چھوڑ کر

بقیہ صفحات مین ۱۰۰ رباعیان ہین، ہر رباعی زبان کی صفائی اور روزمرہ اور محاورات کی برجستگی اور ترکیبون کی چستی کے لحاظ

سے قابل داد ہے، "لکھنوی" ہو کر دلّی کی زبان کی تعریف مین کہتے ہین:-

دلّی کی زبان لکھنؤ کیا جانے
میر و مرزا کی گفتگو کیا جانے،
دل درد سے خالی ہو تو کو ہی فضول
خاموش زبانِ عشق تو کیا جانے

اپنی اور اپنے مخاطب کی نسبت کہتے ہین:-

مہمان ہے تو، صاحب خانہ مین ہون،
آئینۂ حسن جاودانہ مین ہون،
مجھ سا کوئی دوسرا نہ تجھ سا کوئی،
یکتائے جہان تو ہے، یگانہ مین ہون،

اس رباعی کے پڑھتے وقت بے ساختہ عرفی کے یہ دو شعر یاد آ گئے جو اوس نے اپنی تعریف مین کہے ہین:-

میگویم و اندیشہ ندارم ز حریفان
من زہرہ را مشگر دمن بدر منیرم،

سر بر زدہ ام با بہ کنعان ز یکے جیب
معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم

ہنگامۂ لکھنؤ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:-

اقلیمِ سخن نام مرا جپتا ہے،
کیون لکھنؤ اپنے بھاڑ مین تپتا ہے
تصویرِ یگانہ آپ بول اُٹھے گی،
ہان ایسے ہی منہ پہ بانکپن کھپتا ہے

غالب کی تحقیر و توہین کا پرانا مناظرانہ جذبہ ان رباعیون مین بھی باقی ہے چنانچہ اپنے "ادبی مہدی" ہونے کے

سلسلہ مین فرماتے ہین:-

ہین خاک برابر مگر اکسیر ہین ہم
غالب کے پیرا ثانی میر ہین ہم
دنیائے ادب تھی منتظر مدت سے،
معلوم ہے کس خواب کی تعبیر ہین ہم؟

اپنی نوا سنجی کی داد ان لفظون مین دی ہے:-

گذری ہے بہارِ عمر تنکے چنتے،
آتشکدۂ شوق مین جلتے بھنتے،
یارانِ چمن گاتے ہین اپنی اپنی
میری سنتے تو دیر تک سر دھنتے

اپنی بقائے دوام کا دعویٰ اس بلند آہنگی سے کیا ہے:-

وہ دور رہا نہ وہ زمانہ باقی،
ہے اور کوئی دن یہ فسانہ باقی
کیسا اِدبار، اور کہان کا اقبال
دنیا فانی، مگر یگانہ باقی،

ایسا نہ سمجھا جائے کہ ان رباعیون کے مضامین صرف "فلسفۂ خودی" کی تشریح پر مشتمل ہین، بلکہ "انفس" کے بعد

"آفاق" کا فلسفہ بھی ان مین جا بجا بیان کیا گیا ہے، کہتے ہین اور کیا خوب کہتے ہین:-

چارہ نہین کوئی جلتے رہنے کے سوا
سانچے مین فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے شمع تری حیات فانی کیا ہے
جھونکا کھانے سنبھلتے رہنے کے سوا

اس مجموعہ مین جسکو "ادب" کہکر پیش کیا گیا ہے، اس بے ادبی کو ملاحظہ کیجئے:-

یاردن کی وہ سازش وہ خلافت طلبی | اسلام کے پردہ مین حکومت طلبی
افسوس یدِ اللہ سے یہ بے ادبی | کس دن کے لئے علیؓ سے بیعت طلبی

اگر مرزا یگانہ صرف اپنے شاعری کے کمال دکھایا کرین تو عجب نہین کہ دنیا ان پر ایمان لے آئے، مگر وہ خود اپنی ذات پر دعوتِ ایمان کی تبلیغ اتنی کرتے ہین کہ لوگ اون کی شاعری کی شان مین بھی کفر بکنے لگتے ہین، مرزا صاحب کی خدمت مین خود انھین کی رباعی عرض ہے،

یوسف کو اس انجمن مین کیا ڈھونڈھتا ہے | ہنگامۂ ماؤ من مین کیا ڈھونڈھتا ہے،
نیرنگِ تماشا ہے حجابِ معنی، | تصویر کے پیرہن مین کیا ڈھونڈھتا ہے

"ص"

تاریخ صقلیہ جلد اول

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریبًا پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس کہ انکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین انکی تاریخ مرتب کی گئی ہے، جنمین سے پہلی جلد اب شایع ہو گئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا از اسلامی حکومت کا عہد بعہد کے دور دون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ اور جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، اس کتاب مین چند رنگین نقشے بھی ہین، از مولوی ریاست علی صاحب ندوی،

ضخامت مجموعی ۵۰۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت للعہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

معاشیات، مقصد اور منہاج، یعنی خطبات جناب ڈاکٹر ذاکر حسین، ایم اے، پی ایچ، ڈی، ناشر ہندوستانی اکیڈمی، یوپی، الہ آباد، حجم ۱۰۹ صفحے، چھپائی ٹائپ مین، قیمت عہ

ہندوستانی اکیڈمی یوپی نے فن معاشیات پر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے تین تقریرین کرائی تھین، وہ "معاشیات، مقصد اور منہاج" کے نام سے شایع ہوئی ہین، مقرر نے ان تقریرون مین علم معیشت اور اس کے مقاصد سمجھائے ہین، تمہید مین پہلے اس فن کے نام کی تحقیق اور مختلف اربابِ فکر نے مختلف زاویہ ہاے نگاہ سے جس نام سے موسوم کیا ہے، اسے پیش کیا ہے، اس کے بعد اس کے موضوع اور مقصد پر گفتگو آتی ہے، پھر پہلا مقالہ "معاشیات معیاری" کے عنوان سے ہے، یعنی وہ معیشت جو مقصد حیات انسانی اور مقصد کائنات کے مطابق اور ہم آہنگ ہو، اس سلسلہ مین اولًا عہد یونانی سے عہد اسلامی اور پھر دور حاضر تک کے ان نظریون اور انکے رجحانات و خیالات کو بیان کیا ہے، جنمین معیشت صحیحہ و صالحہ کی تعیین اور اس کے اصل مقصد کی تحقیق کی گئی ہے، اور آخر مین نتیجہ بتایا ہے کہ دراصل معاشیات معیاری کا مبحث مذہب یا فلسفہ کی ایک شاخ ہو، اس کے بعد "معیشت ترتیبی" کے عنوان سے دوسرا مقالہ ہے، جسمین مقرر نے دکھایا ہے کہ اربابِ فکر کیونکر رفتہ رفتہ اعیان و حقایق کی بلندیون سے تجربہ اور عمل کی پستیون کی جانب مائل ہو کر علوی مقاصد سے سفلی آرزوون مین گھر گئے، پہلے اگر تدوین علم کا مقصد رضاے الٰہی تھا، تو اب قضاے ضروریات انسانی قرار پایا، اور اسی سے "معیشت ترتیبی" کے مباحث پیدا ہوئے، جن مین ان یکسانیون کی تلاش ہوئی، جو واقعات مین ظاہر ہوتے ہین، اس کے بعد "معیشت اہتمامی" کے عنوان سے آخری مقالہ ہے، جس مین اس کے مقصد و منہاج کی تحقیق، اس کے اقسام

وصدود دکھا کر آخر مین بتایا ہے کہ "معیشت افہامی" مین نظری و واقعاتی دونون حیثیتون کو ساتھ رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے، اس لئے ہندوستان کے لئے ترتیبی معیشت کے بجائے جسمین بے سود فرضی قانون سازی ہوتی ہے، افہامی معیشت کے اصول سودمند ہونگے، اور اسلئے اسی کے اصول پر ہندوستان کی معیشت کو سمجھنا اور سمجھانا چاہئے،

تحریف قرآن کی حقیقت } مصنفہ مولوی سید علی نقی صاحب، ناشر امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ،
وجود حجت } حجم بر ترتیب ۱۹۹ و ۱۲۵ صفحے، قیمت ۵ ر و ۴ ر

لکھنؤ کی جماعت شیعہ نے ایک انجمن امامیہ مشن کے نام سے قائم کی ہے، جو اپنے مذہب شیعی کی تائید اور دیگر مذاہب کے رد مین مختصر رسالے شائع کرتی ہے، پیش نظر رسالہ "تحریف قرآن کی حقیقت" اس انجمن کا دوسرا رسالہ ہے، رسالہ مین دوسری آسمانی کتابون کی تحریفات دکھانے کے بعد "قرآن مجید کی امتیازی خصوصیات" بیان کئے ہین، اس ضمن مین عقیدۂ تحریف قرآن کا مسئلہ آیا ہے، اور اتقان سیوطی وغیرہ کی غیر مستند روایتون سے دکھایا گیا ہے، کہ اہل سنت کی مستند کتابون مین جمع قرآن کے وقت قرآن مین ردوبدل ہونے، کتابت کی غلطیان ہونے اور آیتون کے چھوٹ جانے وغیرہ کی شہادتین موجود ہین، اس کے بعد "جماعت شیعہ اور قرآن" پر گفتگو ہے، جسمین شیعی روایات سے بتایا ہے کہ قرآن اپنی موجودہ شکل مین جو کچھ موجود ہے، اسکی صحت مین سرمو فرق نہین، لیکن ایک بڑا حصۂ قرآنی اس قرآن مین درج ہونے سے رہگیا ہو، پھر چند ایسے مجتہدین وعلمائے شیعہ کے اقوال درج ہین، جو اس مسلک کے مخالف ہین، اور عقیدۂ شیعی کو جماعت اہل سنت کے عقاید کے مطابق بتاتے ہین، لیکن خود مصنف کے نزدیک وہ لوگ اپنے عقائد مین منفرد ہین، سب سے آخر مین مصنف نے اپنا عقیدہ یہ پیش کیا ہے کہ "موجودہ قرآن کلام الٰہی و وحی آسمانی ہے، ...... موجودہ قرآن کے علاوہ کسی سورہ، کسی آیت اور کسی حرف کا جزو قرآن ہونا ثابت نہین اور نہ ان پر احکام قرآنی مرتب ہو سکتے ہین "اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ خود مصنف کے نزدیک بھی کچھ ایسے اجزائے قرآن ضرور تھے جو موجودہ قرآن مین شامل نہین، اگرچہ آج ان اجزاء کے وجود کا علم قطعی حاصل نہین، اور اسلئے اس قرآن کے ماسوا کسی حرف کا نہ جزو قرآن ہونا ثابت ہے، اور نہ اس پر احکام قرآنی مترتب ہو سکتے ہین،

اس لئے موجودہ قرآن (نعوذ باللہ) ناقص اور نامکمل ہے، نہین معلوم ایسے مسائل پر قلم اٹھانے سے امامیہ مشن کی کونسی خدمت مقصود ہے، اور اسلام ہی کی کوئی شاخ، اسلام ہی کی بنیاد پر وار کرکے کیونکر سرسبزی وشادابی حاصل کرسکتی ہے، سنتے ہین جماعت شیعی مین مسئلۂ تقیہ بھی کوئی مذہبی مسئلہ ہے، اگر انھین اپنے مذہب کے اصلی اساس (قرآن) سے محبت نہین، تو کیا اپنی شاخ ہی کی سرسبزی وشادابی کے لئے اُن علمائے شیعہ کا مسلک بطور تقیہ ہی بحیثیت جماعت کے اختیار نہین کرسکتے کہ "قرآن وہی ہے جو ان دودفتیون مین ہے، اور جو لوگون کے ہاتھون مین موجود ہے، اس سے زیادہ نہین..... اور جو کوئی ہماری (جماعت شیعہ کی) جانب یہ منسوب کرتا ہو کہ وہ اس سے زیادہ تھا تو وہ جھوٹا ہے" اہل سنت ہون یا شیعہ جو کوئی دوسرے پر قرآن پاک کے متعلق اس قسم کے الزامات قائم کرتے ہین، وہ درحقیقت قرآن پاک کی صحت کو مشتبہ کرنیکی کوشش کرتے ہین، اور غیر مسلمانون کے ہاتھون مین اپنی گردنون کے کاٹنے کے لئے اپنے ہی کارخانہ سے تلوارین بناکر اون کے ہاتھون مین دیتے ہین،

دوسرے رسالہ وجود حجت مین "امام غائب" کے وجود کے دلائل شیعی جمع کئے گئے ہین،

الباکورۃ الجلنیہ (عربی) حجم ۴۸ صفحے قیمت ۶ر مرتبہ مولوی عبداللطیف صاحب اعظمی ناظم جمعیۃ الاصلاح شبلی ہوسٹل لکھنؤ،

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مین یون تو عربی ادب کا مذاق اسکے آغاز عہد ہی سے رہا، لیکن ادھر چند سال سے جب کہ ایک عربی رسالہ الضیاء وہان سے نکلا ہے، طلبائے دار العلوم کو عربی زبان مین مضمون نویسی کی مزید ترغیب ہوئی اور اس کا ایک خوشنما منظر یہ زیر تبصرہ رسالہ ہے، جو دار العلوم ندوہ کے طلبہ کے مختصر تاریخی وادبی مضامین پر مشتمل ہے، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ عربی تحریر کا پاکیزہ مذاق درجہ ہشتم سے درجہ چہارم تک کے طلبہ مین پیدا ہو رہا ہے، یہ مضامین دار العلوم کے مختلف درجون کے پڑھنے والون اور مختلف ملکون اور صوبون کے رہنے والے طلبہ کے لکھے ہوئے ہین، رسالہ اگرچہ دفتر الضیاء سے عام عربی مجلات کے دستور کے مطابق سال کے دو مہینون کے پرچون کے عوض ناظرین الضیاء کو ہدیۃً بھیجا گیا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اہل علم وعلماء اس رسالہ کو خرید کر کارکنان الضیاء کی مدد اور طلبائے دار العلوم کی حوصلہ افزائی کرین،

باپ کا قاتل، مترجمہ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی، ناشر ہند بک ایجنسی نمبر ۲ اے چترنجن ایونیو کلکتہ، ۱۳۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸؍

"باپ کا قاتل" فرانس کے مشہور انشاپرداز فرانسو کوپیہ کے ایک فسانہ کا ترجمہ ہے، جو عربی زبان سے کیا گیا ہے، اسمین ایک بلقانی نوجوان قائد کا حب الوطنی سے لبریز کردار پیش کیا گیا ہی، یہ فسانہ دراصل اس لٹریچر کی ایک کڑی ہی جو یورپ مین آزادی بلقان کی تحریک کی ابتدا مین پھیلایا گیا تھا، مترجم نے ہندوستان مین تحریک آزادی اور جذبۂ حب الوطنی کے پیدا کرنے کیلئے اسکو اردو مین منتقل کیا ہی، فسانہ مین زمانہ ترکون اور بلقانیون کی جنگ کا ہی، ایک ترکی قائد جاسوس بنکر بلقانی فوج مین آتا ہی اور مختلف تدبیرون سے بلقانی سپہ سالار اعظم کو اوسکی بیوی کے ذریعہ اس پر آمادہ کر لیتا ہی کہ ترکی فوج کو راستہ دیدیا جائے اسکے معاوضہ مین بلقان کا تاج اسکو پیش ہوگا، وہ سپہ سالار اپنے ضمیر سے سخت کشمکش کے بعد اس پر آمادہ ہو جاتا ہی، اس سازش کی خبر اوس کے لڑکے کو ایک معصوم دل لڑکی سے ملتی ہی، اور وہ موعودہ گھاٹی پر عین وقت پر پہنچ جاتا ہی، ترکی فوجین بڑھتی ہین اور اوس کا باپ غداری کے لئے وہان موجود نظر آتا ہی، اس وقت باپ بیٹے مین ایک موثر گفتگو ہوتی ہی، جسمین لڑکے کیلئے حق پدری اور خدمتِ وطن کے فرائض مین سے کسی ایک کے انتخاب کا وقت آتا ہے، اور لڑکا اپنے باپ کو قتل کرکے بلقانی لشکر کو ہوشیار کر دیتا ہی، اور خدمتِ وطن کا فرض ادا کرتا ہی، ترکون اور بلقانیون مین خون ریز جنگ ہوتی ہی، صبح کو اسکے باپ کا جنازہ شہید وطن سمجھکر اٹھایا جاتا ہی، وہ لڑکا سپہ سالار بنتا ہی، اسکی سوتیلی مان کو پس پردہ واقعات کا علم ہوتا ہی اور وہ کوشش کرتی ہی کہ اس نوجوان قائد کو بھی غداری پر آمادہ کرلے، اور پھر ناکام ہو کر فوج کو اس سے برگشتہ کرتی ہی، اور وہی خفیہ معاہدہ جو ترکی جاسوس اور سابق سپہ سالار اعظم مین ہوا تھا، اسے اس نوجوان سپہ سالار کی طرف منسوب کرکے غداری کا الزام لگاتی ہی، دونون کے نامون مین ایک جزء مشترک نام کے باعث اس پر یقین کر لیا جاتا ہی، اسکے قتل کا فیصلہ صادر ہوتا ہی، وہ اپنی زندگی نثار کر دیتا ہے مگر اپنے باپ کے جرم غداری کو طشت از بام نہین کرتا، واقعہ کے ۳۵ سال بعد اسکی سوتیلی مان مرض موت کے ہذیان مین اون رازہائے سربستہ کا پردہ چاک کر دیتی ہے، اور اس نوجوان سپہ سالار کی وہی قبر جو ابتک ایک غدار کی قبر کی حیثیت سے نشانۂ ملامت بنی ہوئی تھی، اب بلقانیون کی معبود و مسجود بنجاتی ہے،

"ر"

جلد ۳۳	ماہ محرم الحرام ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۴ء	عدد ۵

مضامین